رجسٹرڈ نمبر اے ۴۶۶

نگار

قیمت فی کاپی ۸ر

ہمیشہ یاد رکھئے

کہ پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع اگر اُسی مہینہ کے اندر نہ دی گئی تو آیندہ مہینہ کے اخیر تک پانچ پیسہ کے ٹکٹ آنے پر پرچہ دوبارہ روانہ ہوگا (کیونکہ ڈاک خانہ اب پچھلے پرچوں کا محصول پنج گنا وصول کرتا ہے) اور اُس کے بعد قیمتاً یعنی ۸؍ کے ٹکٹ موصول ہونے پر۔

مینجر "نگار"

تصانیف نیاز فتحپوری

بکار خویش مصنف

نگار خانۂ یکتائی

نگارستان

حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ۔ نگارستان نے ملک میں جو درجۂ قبول حاصل کیا اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل ہوچکے ہیں۔ قیمت دو روپیہ (عہ)

علاوہ محصول

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اُردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اُصول پر لکھا گیا ہے اس کی زبان، اس کی تخئیل، اس کی نزاکت بیان اسکی بلندی مضمون اور اس کی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

علاوہ محصول

جمالستان

اڈیٹر نگار کے مقالات ادبی کا دوسرا مجموعہ جس میں ۳۲ افسانے ۱۹۳۳ء تک کے درج ہیں — قدرت بیان اعلیٰ تخیل اور پاکیزگی زبان کے بہترین شاہکاروں کے علاوہ بہت سے اجتماعی و معاشری مسایل کا حل بھی آپ کو اس مجموعہ میں نظر آئے گا۔ ہر افسانہ اور ہر مقالہ اپنی جگہ معجزۂ ادب کی حیثیت رکھتا ہے

قیمت چار روپیہ (للعہ)

علاوہ محصول

مکتوبات نیاز

اڈیٹر نگار کے تمام وہ خطوط جو نگار میں شایع ہوئے ہیں نیز وہ جو شایع نہیں ہوئے۔ جذبات نگاری اور سلاست بیان رنگینی اور ابیلے پن کے لحاظ سے فن انشاء میں یہ بالکل پہلی چیز ہے جس کے سامنے خطوط غالب بھی پھیکے معلوم ہوتے ہیں معہ تصویر حضرت نیاز ۲۸ پونڈ کے کاغذ پر مجلد شایع ہوئی ہے۔

قیمت دو روپیہ آٹھ آنے (عہ)

علاوہ محصول

(جنگ نمبر)

نگار

ہندوستان کے سالانہ چندہ پانچ روپیہ ششماہی تین روپیہ
ہندوستان کے باہر سالانہ چندہ آٹھ روپیہ یا بارہ شلنگ
ششماہی چندہ میں "نگار" کا جنوری نمبر بہ وجہ اضافۂ ضخامت و قیمت شامل نہ ہوگا

اڈیٹر: نیاز فتحپوری

جلد ۴۰	فہرست مضامین اگست سنہ ۱۹۴۱ء	شمار ۲

داستانِ جنگ، یکم ستمبر ۳۹ء سے ۳۱ جولائی ۴۱ء تک ---------- ۲
ناتسی حکومت اور مزدور ---------- ۹
برطانیہ اس جنگ میں کتنا خرچ کر رہا ہے ---------- ۱۲
مشرق بعید اور جاپان ---------- صباح الدین عمر ام۔ اے ---------- ۱۴
شام کی آزادی کا اثر جنگ پر ---------- ۲۳
جنگ کے زمانہ میں ہندوستان کا مالی انتظام ---------- ۲۶
سائنس اور جنگ ---------- محمد عتیق صدیقی ---------- ۲۹
بحری طاقت ---------- ۳۴
مسولینی کیوں ناکام رہا ---------- ۳۹
ترکی کی جغرافی و جنگی اہمیت ---------- صباح الدین عمر ام۔ اے ---------- ۴۳
بقیہ داستانِ جنگ ---------- ۴۹ تا ۶۴

داستانِ جنگ

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء سے ۳۱ جولائی ۱۹۴۱ء تک

پچھلی جنگ اور اُس کے نتائج دُنیا میں جب کوئی اہم بات غیر متوقع طور پر پیش آتی ہے تو انسان کے دل میں سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور اُس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ چونکہ موجودہ جنگ تاریخ عالم کا نہایت زبردست واقعہ ہے، اس لئے لوگوں کو اور زیادہ غیر معمولی جستجو ہے کہ اس کا سبب معلوم کریں اور پھر نتیجہ پر حکم لگائیں۔

اس میں شک نہیں کہ ایک لڑائی کے اسباب و حالات کی صحیح تاریخ ہمیشہ اس کے ختم ہونے کے بعد ہی مرتب ہو سکتی ہے، لیکن دنیا جو فی الحال اس مصیبت میں مبتلا ہے مستقبل بعید کے انتظار میں کیونکر بیٹھی رہ سکتی ہے وہ مجبور ہے کہ اس پر غور کرے اور موجودہ حالات و معلومات کی بنا پر سوچے کہ ماضی کا تعلق حال سے کیا تھا اور موجودہ حال کا مستقبل کیا ہو سکتا ہے۔ علاوہ اس کے چونکہ پچھلی لڑائی کے واقعات و حالات اب پوری طرح معلوم ہو چکے ہیں اور موجودہ جنگ اسی کا تتمہ یا شاخسانہ ہے، اس لئے اس "محاربۂ عظیم" کے اسباب زیادہ پوشیدہ نہیں ہیں۔

۱۹۱۴ء کے آغاز میں یورپ کی حالت اُس تودۂ بارود کی سی تھی جس کے مشتعل ہونے کے لئے صرف ایک چنگاری کی ضرورت تھی اور ہر چند جس وقت جنگ کا آغاز ہوا، اُس وقت یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں جنگ کے لئے پوری طرح طیار نہ تھیں مگر حالات کا رُخ کچھ اس تیزی کے ساتھ پلٹ رہا تھا کہ یورپ کی تقریباً تمام حکومتوں کو یکے بعد دیگرے جنگ کی آگ میں کودنا ہی پڑا۔

سب سے پہلے روس نے آسٹریا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا، ابھی اس اعلانِ جنگ کی صدا فضا میں گونج ہی رہی تھی کہ آسٹریا کی حمایت میں قیصر جرمنی کی حکومت بھی پوری طیاریوں کے ساتھ میدان میں آگئی۔ جرمنی کے اس اقدام نے فرانس کو بھی اعلانِ جنگ پر مجبور کر دیا اور فرانس کی حمایت میں برطانیہ کو بھی میدان میں آنا پڑا۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں ترکی نے بھی جرمنی کی حمایت آستینیں چڑھالیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے شعلے مشرق قریب تک پہونچ گئے۔

جنگ کے پہلے سال میں جرمنی کو حیرتناک کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ دوسرے سال بھی لڑائی کا یہی حال رہا۔ لیکن تیسرے سال یعنی ۱۹۱۶ء سے واقعات کی رفتار بدلنے لگی۔ جرمنی کو پے در پے شکستیں بھی ہونے لگیں اور برطانوی ناکہ بندی بھی اس سال زیادہ سخت ہو گئی، لیکن جرمنی کی قسمت میں ایک اور کاری ضرب لکھی ہوئی تھی اور وہ یہ کہ ۱۹۱۷ء میں اس نے میکزیکو (Mexico) کو امریکہ کے خلاف بغاوت کرنے پر اُبھارا اور جب اس ریشہ دوانی کی اطلاع امریکہ کو پہونچی تو اُس نے بھی جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ امریکہ کا یہ اعلانِ جنگ جرمنی کے لئے موت کا پیغام تھا۔ کیونکہ تین سال کی مسلسل جنگ نے جرمنی کی صرف بحری و بری طاقت ہی کو کمزور نہیں کر دیا تھا بلکہ اُس کی اقتصادی زندگی کا شیرازہ بھی درہم برہم کر رکھا تھا اور وہ کسی طرح امریکہ کی تازہ دم فوج کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد جنگ نے ایک اور رُخ اختیار کیا یعنی اسی سال زار کی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا۔ ہر چند روس کا

یہ انقلاب جرمنی کی سازشوں کا نتیجہ تھا لیکن دراصل اس انقلاب کے لئے وہاں عرصہ سے مواد طیار ہو رہا تھا۔ اس انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۷ر نومبر ۱۹۱۸ء کو سوویٹ حکومت کے وزیر جنگ نے اتحادی حکومتوں کو اطلاع دی کہ سوویٹ حکومت بہت جلد ایک اپیل التوائے جنگ کے لئے کرنے والی ہے اور اگر اتحادی حکومتوں نے اُس اپیل کو ٹھکرا دیا تو وہ علیحدہ صلح کرے گی۔

۲۹ر نومبر ۱۹۱۸ء کو برطانوی کابینۂ جنگ کا جلسہ ہوا جس سے سوویٹ روس کی اپیل التوائے جنگ کو مسترد کر دیا اور روس نے جرمنی سے حسب معاہدۂ برسٹ لٹوسک جس کا ذکر آئندہ آئے گا، صلح کر لی۔ اتفاق سے اسی وقت جرمنی میں بھی انقلاب رونما ہوا اور وہاں جمہوری اُصول پر ایک نئی حکومت کی تشکیل کی گئی جس نے اتحادیوں کے سامنے صلح کی درخواست پیش کر دی اور ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو جنگ کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا

اختتامِ جنگ کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم اور "پائیدار صلح" کے لئے ایک کانفرنس کا منعقد کرنا طے پایا۔ اس کانفرنس کے صدر مسٹر ولسن (Mr. Wilson) صدر جمہوریہ امریکہ قرار پائے اور اُن کے سکریٹری مسٹر لانڈ جارج اور موزیو کلمنو مقرر ہوئے۔

صدر کانفرنس مسٹر ولسن، انگلستان کی مزدور اور معتدل پارٹیوں میں بھی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور فرانس، اٹلی، اور دوسرے ملکوں کے عوام بھی اُن کو اپنا ہمدرد سمجھتے تھے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے مسٹر ولسن کی تجویز صلح کی جو چودہ نکات[1] پر مشتمل تھی پرزور تائید کی۔ ۳۰ر نومبر ۱۹۱۸ء کو پیرس میں اتحادیوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، کرنل ہاؤس جو امریکہ کے نمائندے تھے انھوں نے کوشش کی کہ ایک تجویز ایسی پاس ہو جائے جس کی رو سے دنیا کی تمام قومیں اپنی فلاح و بہبود کے لئے خود مناسب تدابیر اختیار کر سکیں۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

صلح کانفرنس کا آغاز ۱۸ر جنوری ۱۹۱۹ء کو پیرس میں ہوا۔ یہ کانفرنس ایک طرح کی عدالت انتساب تھی۔ اس موقعہ پر اتحادیوں

---

[1] چودہ نکات یہ تھے:۔ (۱) آئندہ سے یورپ کی سلطنتیں آپس میں خفیہ سازباز نہ کریں گی بلکہ اُن کی سیاسی پالیسی، بالکل واضح اور سیدھی سادی ہوگی۔ (۲) خواہ امن کا زمانہ ہو یا لڑائی کا دونوں حالتوں میں بین الاقوامی تجارتی جہازوں کے لئے سمندر کھلے رہیں گے۔ (۳) اقتصادی پابندیوں کو زیادہ سے زیادہ دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ (۴) تخفیف اسلحہ کے سلسلہ میں مناسب ضمانت لی جائے گی۔ (۵) نوآبادیوں کی تقسیم قطعاً غیر جانبدارانہ ہوگی، تقسیم کے وقت اُس حکومت کے مقابلہ میں جو کسی نوآبادی کا مطالبہ کرتی ہے خود اُس نوآبادی کے بسنے والوں کی رائے کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔ (۶) روس کا پورا علاقہ خالی کر دیا جائے گا اور اُس کو اپنے علاقہ کی اصلاح و ترقی کا پورا پورا موقعہ دیا جائے گا۔ (۷) بلجیم کی حکومت اپنے سابق پورے علاقہ کے ساتھ دوبارہ قایم کی جائے گی اور اُسے خود مختار حکومت قایم کرنے کا حق ہوگا۔ (۸) فرانس کا سارے کا سارا علاقہ خالی کرا لیا جائے گا اور پرشب کی حکومت نے اُس کے ساتھ ۱۸۷۱ء میں جو زیادتی کی تھی اُس کا ازالہ کیا جائے گا۔ (۹) اٹلی کی سرحدوں کا از سرِ نو تعین قومیت کے اُصولوں کے ماتحت عمل میں آئے گا۔ (۱۰) آسٹریا اور ہنگری کے ملکوں کو خود مختار جمہوری حکومت قایم کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔ (۱۱) رومانیا، سرویا اور مونٹی نیگرو کی ریاستوں کے علاقے خالی کرا دئے جائیں گے اور سرویا کو سمندر کا علاقہ دیا جائے گا۔ بلقانی ریاستوں کے سوال کو قومی اُصولوں پر طے کیا جائے گا۔ (۱۲) عثمانی سلطنت کی غیر مسلم آبادی کی سیاسی ترقی کی ضمانت لی جائے گی۔ درہ دانیال کو بین الاقوامی جہاز رانی کے لئے مستقلاً کھلا رکھا جائے گا۔ (۱۳) پولینڈ میں آزاد ریاست کا قیام عمل میں آئے گا اور اُسے ایک ساحل بھی دیا جائے گا۔ (۱۴) کچھ روادارانہ اُصولوں کے ماتحت ایک مجلس کا قیام عمل میں آئے گا، جو تمام دُنیا کی سب چھوٹی بڑی ریاستوں کے قیام کا مناسب انتظام کرے گی۔

نے صدر ولسن کے چودہ نکات کو تسلیم کرتے ہوئے سب سے پہلے جرمنی کے مسئلہ کو سامنے رکھا اور یہ طے کیا کہ السک لورین (Alsace Loreaine) کے علاقے جو جرمنی نے فرانس سے ۱۸۷۰ء کی جنگ میں جیتے تھے وہ فرانس کو واپس کر دے۔ رائین لینڈ (Rhine land) میں کسی طرح کی فوجی قلعہ بندی نہ کرے۔ سار (Saar) کے علاقہ کو "بین الاقوامی" بنا دیا جائے۔ یوپین اور مالمیڈی (Eupen + Malmedy) کا علاقہ بلجیم کے حوالہ کر دیا جائے۔ اسی کے ساتھ کچھ علاقے پولینڈ، لوتھینیا، ڈنمارک اور زیکوسلیویکیا کو بھی دلائے گئے اور جرمنی کی افریقی نوآبادیات برطانیہ آسٹریلیا اور نوزیلینڈ میں تقسیم کر دی گئیں۔

جرمنی کے بعد دوسرا نمبر آسٹریا، ہنگری کا تھا۔ جنگ سے پہلے آسٹریا اور ہنگری دونوں ایک ہی مملکت میں شامل تھے۔ صلح کانفرنس نے اس کی حیثیت بالکل بدلدی اور اس کے ٹکڑے کر کے دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنا دیں۔ آسٹریا ہنگری کا ایک بڑا ٹکڑا علٰحدہ کر کے ایک نئی ریاست زیکوسلیویکیا کے نام سے قایم کی گئی اور کچھ حصے رومانیا اور یوگوسلیویا کو دیدئے گئے۔ اور جنوب کی جانب کے دو حصے جو اٹلی سے ملحق تھے وہ اٹلی کو دیدئے گئے۔

ذیل کے نقشے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس تقسیم کی نوعیت کیا تھی ؟

صلح کانفرنس کے سامنے تیسرا ملک ترکی تھا۔ مقررہ دوران جنگ ہی میں برطانوی تسلط ہو چکا تھا اب سمرنا و مشرقی تھریس یونان کو دیدیا گیا۔ کردستان کا علاقہ آرمینیا کو اور آبناؤں پر اتحادی حکومتوں کا تسلط قایم ہو گیا۔ اور علاوہ اس کے جو کچھ اور تبدیلیاں یوروپ کے نقشے میں ہوئیں ان کا تعلق تین معاہدوں سے ہے:۔ (۱) معاہدۂ برسٹ لٹوسک (Brest - Litorsk Treaty)۔ (۲) معاہدۂ دارسائی اور (۳) معاہدۂ سیورے (Sevres)

معاہدۂ برسٹ لٹوسک ——— ۳ مارچ ۱۹۱۸ء کو روس اور جرمنی، آسٹریا بلغاریا اور ترکی کے مابین ہوا۔ روس میں اسی زمانہ میں انقلاب ہوا تھا اس لئے ملک میں شدید خلفشار تھا، جرمنی نے اس سے فایدہ اُٹھایا اور روس سے من مانی شرائط قبول کرالئے۔ روسی پولینڈ، لیتھونیا (Lithuania) لٹویا (Latvia) ایسٹونیا (Estonia) اور بالٹک کے متعدد جزائر سے روس، جرمنی اور آسٹریا کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی روس کو یوکرین (Ukraine) کے علاقہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑا جہاں جرمنی نے ایک فرضی حکومت قایم

کردی تھی - یہی حال جارجیہ (Georgia) اور فنلینڈ کا بھی ہوا - نیز تاوان کے نام سے چھ ارب مارک کی قیمت کا سونا ادا کرنے پر بھی اس کو راضی ہونا پڑا - اس طرح روس کے ہاتھ سے اس کی ۳۴ فیصدی آبادی اور ۵۴ فیصدی صنعت اور ۹۰ فیصدی کوئلہ کی کانیں نکل گئیں -

معاہدۂ وارسائی :- ۲۸ جون سنہ ۱۹ء کو اتحادی طاقتوں اور جرمنی کے مابین ہوا - جرمنی اور اُس کے مقبوضات کی تقسیم جس کا ذکر کیا جا چکا ہے، اسی معاہدہ کے مطابق عمل میں آئی - اُس کے لئے عام لام بندی ممنوع قرار پائی اور داخلی انتظام کے لئے صرف ایک لاکھ فوج رکھنے کا اختیار دیا گیا - جرمنی کے دریا بین الاقوامی بنا دئے گئے - اُس پر تاوان کا بہت بڑا بوجھ لاد دیا گیا جس کی ادائی تقریباً ناممکن تھی -

معاہدۂ سیورے :- معاہدۂ وارسائی کے ایک سال بلکہ اس سے زیادہ زمانہ گزرنے کے بعد ترکی اور اتحادی طاقتوں کے مابین ہوا اور اسی معاہدہ کی رو سے عثمانی حکومت کی تقسیم عمل میں آئی جس کی تفصیل بتلائی جا چکی ہے -

پیرس کانفرنس اور ان تمام معاہدوں کے سلسلہ میں یوروپ کی شکل بالکل بدل گئی اور شکست خوردہ سلطنتوں کے علاقے نکال کر چھوٹی چھوٹی نئی حکومتیں اور قایم کردی گئیں :-

(۱) چیکوسلاواکیا - (۲) پولینڈ - (۳) لتھونیا - (۴) لٹویا - (۵) استھونیا - (۶) یوگوسلاواکیا (Yugoslavia)

ان ریاستوں میں پولینڈ کی ریاست ہی ایک ایسی ریاست تھی جس میں بعد کو بھی وقتاً فوقتاً کچھ اور علاقے شامل ہوتے رہے -

ذیل کے نقشوں سے معلوم ہوگا کہ قبل از جنگ اور بعد از جنگ کے یوروپ میں کتنا فرق ہوگیا -

یوروپ کا نقشہ جنگِ عظیم سے پہلے

یوروپ کا نقشہ جنگِ عظیم کے بعد

جمعیت الاقوام جنگ کے بعد جو معاہدات ہوئے اُن کا اہم ترین نتیجہ جمعیت الاقوام کا وجود تھا۔ صدر ولسن نے جو چودہ اُصول وضع کئے تھے اُس کی آخری دفعہ میں ایک ایسی مجلس کے قیام کا بھی ذکر تھا جس کی حیثیت بین الاقوامی ہو اور جو تمام دُنیا کی چھوٹی بڑی سلطنتوں کے جھگڑے چکایا کرے۔ اس انجمن کے ماتحت متعدد کمیٹیاں بھی بنائی گئیں اور مزدوروں کی ایک بین الاقوامی انجمن کی بھی داغ بیل ڈالی گئی، جس کا مرکز جنیوا (سوئٹزرلینڈ) قرار پایا۔

جمعیت الاقوام کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ دُنیا سے ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو جائے اور آپس کے جھگڑے اسی مجلس میں بیٹھ کر سلطنتیں چکا لیا کریں تاکہ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مجلس کا فیصلہ ہر سلطنت تسلیم کرے۔ لیکن اگر کوئی سلطنت مجلس کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کرے اور دوسری سلطنت پر ظلم کرنے پر آمادہ ہو تو کل سلطنتیں مل کر اُس کا اقتصادی مقاطعہ کریں اور اگر ضرورت ہو تو اُس سلطنت کے خلاف جنگ کریں۔

یہ انجمن اپنے مقاصد کے لحاظ سے یقیناً بہت مفید چیز تھی مگر عملاً اس کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کا ایک بڑا سبب تو یہ تھا کہ خود امریکہ نے ۱۹۲۰ء میں اس انجمن کی شرکت سے انکار کر دیا اور چونکہ امریکہ ہی اس کا سب سے زیادہ پرجوش ممبر تھا، اس لئے اُس کی علیحدگی نے صورتِ حال بدل دی۔ لیکن اس کے علاوہ ناکامی کے کچھ اور اسباب بھی تھے، مثلاً یہ کہ بعض سلطنتوں نے جمعیت کے حق میں اپنے بعض اختیارات سے دستبردار ہونے اور اپنی قومی پالیسی جمعیت کے ہاتھ میں دیدینے سے انکار کر دیا۔ دوسری چیز جس نے جمعیت کے وقار کو نقصان پہونچایا وہ فاتح و مفتوح کا تخیل تھا۔ اسی لئے اندرون یورپ کے بعض چھوٹے چھوٹے مسئلے تو جمعیت نے طے کرا دئے مگر جب بڑے مسائل سامنے آئے تو وہ کچھ نہ کر سکی۔

برطانوی وزیر خارجہ مسٹر ہنڈرسن نے آیندہ جنگ کے امکانات کا سدباب کرنے کے لئے چار اُصول وضع کئے تھے:۔

(۱) اگر دو ملکوں میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو اُس کو طے کرنے کے لئے اُسکو ہیگ (Hague) بین الاقوامی عدالت کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور اگر اس عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے کوئی ملک انکار کرے تو جمعیت کے ممبر اُس کے خلاف "موثر قدم" اُٹھائیں۔ (۲) اگر کوئی سلطنت اپنا معاملہ طے کرنے کے لئے دوسری سلطنت کے خلاف طاقت استعمال کرے تو اس کو "باغی" تصور کیا جائے۔ (۳) "باغی" سلطنت کا جمعیت کی تمام ممبر سلطنتیں پہلے اقتصادی مقاطعہ کریں اور پھر اُسکے خلاف طاقت کا استعمال کریں۔ (۴) باغی سلطنت کے خلاف جمعیت کے ممبروں کی متفقہ کارروائی اُس وقت جایز متصور ہوگی جب تخفیف اسلحہ کانفرنس میں ہتھیار رکھنے کی ایک مناسب حد کا تعین ہو چکے گا۔ نیز مظلوم سلطنت تخفیف اسلحہ کانفرنس کے فیصلہ کو تسلیم کر چکی ہو۔

۱۹۲۴ء میں برطانیہ کی مزدور وزارت کی جگہ قدامت پسند پارٹی کی حکومت نے لی۔ اور سابق وزارت کے ساتھ اُس کے وزیر خارجہ مسٹر ہنڈرسن بھی رخصت ہو گئے۔ جدید وزارت (چیمبرلین وزارت) نے مسٹر ہنڈرسن کے وضع کردہ اُصول کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کوشش کر کے یورپ کی پانچ طاقتوں میں ایک معاہدہ کرا دیا۔ یہ معاہدہ فرانس، برطانیہ، جرمنی، اٹلی اور بلجیم کے مابین ۱۶ نومبر ۱۹۲۵ء کو ہوا اور تاریخ میں معاہدۂ لوکارنو (Locarno) کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کا اصل مقصد فرانس و جرمنی کی کشمکش کا خاتمہ کرنا تھا۔ جرمنی، فرانس کی طرف سے مطمئن نہ تھا اور اس کو ڈر تھا کہ کہیں فرانس، رائن لینڈ (Rhineland) پر حملہ نہ کر دے۔ اس معاہدہ کی رو سے جرمنی کو فرانس

کی طرف سے مطمئن کر دیا گیا اور یہ بھی وعدہ کیا گیا کہ اگر معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی تو دوسری حکومتیں جرمنی کا ساتھ دیں گی اسی سلسلہ میں ایک اور معاہدہ، معاہدہ کیلوگ کے نام سے ہوا۔ یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ تھا جو ۱۹۲۸ء میں امریکہ کے وزیر خارجہ مسٹر بی کیلاگ (Kellogg) کی کوششوں سے ہوا۔ اس معاہدہ میں یہ طے پایا کہ آئندہ تمام جھگڑے آپس ہی میں طے کر لئے جایا کریں۔ اس معاہدہ میں جرمنی بھی شامل تھا کیونکہ وہ ۱۹۲۶ء میں جمعیت الاقوام کا ممبر بن چکا تھا۔

یہ معاہدہ بہت اہم تھا لیکن بالکل بے روح، کیونکہ اس معاہدہ میں اس کا مطلق ذکر نہ تھا کہ اگر کوئی حکومت جس نے اس معاہدہ پر دستخط کئے ہوں لڑائی شروع کر دے، تو اُس کو کیا سزا دی جائے گی۔ اس معاہدہ کا مقصد یقیناً جمعیت الاقوام کو تقویت پہونچانا تھا۔ مگر حقیقی معنے میں عمل کبھی نہیں کیا گیا اور سب سے پہلے ۱۹۳۱ء میں جاپان نے چین کے صوبہ منچوریا پر حملہ کر کے جمعیت الاقوام پر کاری ضرب لگائی۔ مشرق کی یہ دونوں حکومتیں جمعیت الاقوام کی ممبر تھیں، اس لئے چین نے جاپان کے اس ظلم کے خلاف احتجاج کیا۔ جمعیت کا اجلاس اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے فوراً طلب کیا گیا۔ چین کی حمایت میں پرزور تقریریں بھی ہوئیں، لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

تخفیف اسلحہ کی جو تحریک چلائی گئی تھی، اس کا یہ حشر ہوا کہ فروری ۱۹۳۲ء میں تخفیف اسلحہ کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر جرمنی نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ اُس کو بھی اور حکومتوں کے برابر ہتھیار بند ہونے کی اجازت دی جائے اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تخفیف اسلحہ کا سوال ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

۱۹۳۱ء کی اقتصادی کساد بازاری کا بھی دُنیا کی اور چیزوں کی طرح جمعیت الاقوام پر اثر پڑا، لیکن سب سے زیادہ خراب اثر اٹلی کے اُس حملہ کا پڑا جو ۱۹۳۵ء میں اُس نے حبشہ پر کیا تھا۔ حبشہ پر جب اٹلی نے حملہ کیا تو برطانیہ نے مداخلت کی چند تجاویز پیش کیں، لیکن فرانس نے جواب دیا کہ "یہ معاملہ برطانیہ اور اٹلی کا ہے فرانس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں" برطانیہ بھی خاموش ہو رہا۔ ابھی اس واقعہ کو بہت دن نہیں ہوئے تھے کہ جرمنی نے اپنی فوجیں رہائن لینڈ میں اُتار دیں۔ اب فرانس کی نظریں برطانیہ کی طرف اُٹھیں، تو اُس نے بھی فرانس کو ٹکا سا جواب دیا کہ "یہ معاملہ جرمنی اور فرانس کا ہے، اسمیں برطانیہ کو کوئی دلچسپی نہیں"

ان تمام بیانات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ پچھلی جنگ میں وسط یورپ کو بہت سے چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ جرمنی، آسٹریا ہنگری اور روس کی قوتیں گھٹ کر اس قابل نہ رہیں کہ آئندہ وہ پھر کسی کمزور ملک پر حملہ کر سکیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے تخفیف اسلحہ کے مسئلہ پر زور دیا گیا اور جمعیت اقوام کی بھی بنیاد ڈالی گئی۔ نیت کے اچھے ہونے میں شک نہیں، لیکن اس سلسلہ میں کئی باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا، ایک یہ کہ جن ملکوں کے ٹکڑے کر کے دوسروں کو دئے گئے ہیں وہ کبھی ایک دوسرے کے دوست نہیں ہو سکتے، دوسرے یہ کہ جمعیت اقوام میں شامل ہونے والی حکومتوں کے خلوص نیت کا کوئی معیار مقرر کیا گیا اور خود جمعیت کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا کہ وہ جبراً اپنے فیصلہ کو دوسری حکومتوں سے منوا سکتی۔ الغرض صلح ہونے کو تو ہو گئی، لیکن جنگ کی چنگاری بدستور دبی رہی جسے بعد کو ہٹلر نے بھڑکانا شروع کیا اور بعض سیاسی مفکرین یورپ نے اسکو معمولی بات سمجھا اور زیادہ بھڑکنے کا موقع دیا۔

ہٹلر کا عروج - جب ۱۹۳۳ء میں ہٹلر برسر اقتدار آیا۔ اسوقت جرمنی جمعیت الاقوام کا ممبر تھا۔ لیکن ۱۹۳۵ء میں ہٹلر نے جمعیت الاقوام سے علحدگی اختیار کر لی اور بہانہ یہ قرار دیا کہ اسلحہ بندی کے سلسلہ میں مساوی حق رکھنے کی جو درخواست جرمنی نے تخفیف اسلحہ کانفرنس میں دی تھی اس پر ہمدردی کے ساتھ کانفرنس نے غور نہیں کیا۔ اس کا جواب

ایک اور صرف ایک ہوسکتا تھا اور وہ یہ کہ جمعیت کے ممبر ہٹلر کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور ہٹلر نے اُسی وقت سے جرمنی کی جنگی قوت بڑھانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ جرمنی نے ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک اپنی جنگی طیاری پر اُسکی دونی رقم صرف کی جو برطانیہ نے ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۵ء تک صرف کی تھی جب ہٹلر کی طیاریاں ایک خاص حد تک پہونچ گئیں تو اسنے شرائط صلح کو توڑنے کا ارادہ کر کے پہلا قدم سار کے معاملہ میں اُٹھایا اور دوسرا رہائن لینڈ کی طرف۔ یہ واقعہ، مارچ ۱۹۳۶ء کا ہے۔ ہٹلر کا یہ اقدام معاہدۂ لوکارنو کی خلاف ورزی تھا۔ لیکن اس اقدام کے ساتھ ہی اُس نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ وہ یورپ کے امن وسکون کو درہم برہم کرنا نہیں چاہتا۔ اس اعلان کی ضرورت اُسے یوں پیش آئی کہ اُس کو ڈر تھا مبادا اس کے اس اقدام کے جواب میں یورپ کی بڑی طاقتیں کہیں میدان میں آجائیں۔ برطانوی امن پسند، ہٹلر کے اس ارشاد پر ایمان لے آئے اور رہائن لینڈ کے معاملہ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ تو جرمنی کا تھا ہی اس لئے اُس کو واپس بھی ملنا چاہئے تھا۔

روم برلن محور ——— اسی زمانہ میں "روم برلن محور" کی بنیاد پڑی۔ ہٹلر کے عروج کے ابتدائی دور میں مسولینی نے ہٹلر کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی، لیکن ہٹلر ضرور سمجھتا تھا کہ اس کی کامیابیوں کا انحصار بہت کچھ اس پر ہے کہ مسولینی اُس کا شریک ہوجائے۔ چنانچہ ہٹلر نے جا و بیجا ہر موقعہ پر مسولینی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۳۴ء میں ہٹلر کا سفر اٹلی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔ مگر ہٹلر کی یہ کوشش بیکار رہی گئی، کیونکہ مسولینی ناتسی تحریک کو اچھی نظروں سے نہ دیکھتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں اٹلی، برطانیہ اور فرانس نے ناتسیت کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک متحدہ محاذ بنایا، جس کا مقصد ہٹلر پر زور ڈالنا تھا کہ وہ ایک طرف اپنی اشتعال انگیز پالیسی سے باز آئے اور جبریہ بھرتی بند کر دے۔ لیکن ابھی اس "متحدہ محاذ" کی صدائیں فضا میں گونج ہی رہی تھیں کہ برطانیہ نے جرمنی سے ایک بحری معاہدہ کر لیا۔ اس اقدام سے ایک طرف مسولینی بدظن ہوگیا اور دوسری طرف ہٹلر کو تقویت پہونچی۔

اٹلی پر تو اس معاہدہ کا خراب اثر ہونا ہی تھا، لیکن فرانس بھی اس سے متاثر ہوا۔ فرانس نے اس کے جواب میں ایک معاہدہ اسی طرح کا اٹلی کے ساتھ کر لیا۔ یہ اُس زمانہ کا قصہ ہے جب مسولینی، حبشہ پر حملہ کی طیاریوں میں لگا ہوا تھا۔ فرانس کی دوستی سے فایدہ اُٹھا کر مسولینی نے حبشہ کو مجبور کیا کہ وہ اٹلی کی قیادت قبول کرے لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا کیونکہ اُس کے تعلقات برطانیہ کے ساتھ بیحد خوشگوار تھے اور اُس کو یقین تھا کہ اگر حبشہ پر اٹلی نے حملہ کیا تو برطانیہ اُس کا ساتھ دے گا۔ لیکن ستمبر ۱۹۳۵ء میں جب اٹلی کی فوجیں حبشہ سے برسرِ جنگ ہوئیں تو صورت حال بالکل مختلف تھی ——— شہنشاہ ہیل سلاسی نے برطانیہ اور جمعیت الاقوام دونوں کے سامنے امداد کے لئے ہاتھ پھیلائے، تو جمعیت الاقوام نے اقتصادی ناکہ بندی کی تجویز تو کسی نہ کسی طرح منظور کر لی، لیکن اس کی حقیقت کچھ بھی نہ تھی۔ ہٹلر نے اس صورت حال سے پورا فایدہ اُٹھایا اُس نے ناکہ بندی کی تجویز کی مخالفت کی۔ مسولینی چونکہ برطانیہ اور فرانس کی طرف سے برداشتہ خاطر ہوچکا تھا، اس لئے وہ ہٹلر کی طرف جھک گیا اور اس طرح "محوری طاقتوں" کے اتحاد کی بنیاد قایم ہوئی۔

(بقیہ "داستانِ جنگ" صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ ہو)

ناتسی حکومت اور مزدور

آج ہم اگر کسی ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اُس ملک کے مزدوروں کی حالت کا مطالعہ کرنا چاہیئے، کیونکہ بیسویں صدی میں ہر ملک کی سیاسی فلاح و بہبودی کا تمام تر انحصار اُس ملک کے مزدوروں کی خوشحالی اور اُن کے اطمینان پر ہے۔

۲۲ء میں نیشنل سوشلسٹ پارٹی کا جو پروگرام مرتب کیا گیا تھا اُس میں مزدوروں کی ترقی اور بہبودی کے لئے خاص دفعات تھیں اور ایک ایسے پروگرام پر عمل کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا جس میں یہودیوں کی بین الاقوامی مہاجنی کو کوئی دخل نہ ہو اور مزدوروں کو پورے حقوق حاصل ہوں'۔ لیکن ہٹلر نے برسر اقتدار آنے کے بعد نیشنل سوشلسٹ پارٹی کے سوشلسٹ پروگرام کو صرف ردی کی ٹوکری ہی میں نہیں ڈال دیا بلکہ سوشلسٹ رجحانات کی سرے سے بیخ کنی کر ڈالنے میں بھی کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔

بین الاقوامی مزدور تحریک کا جہاں تک تعلق ہے، ۳۲ء میں جرمنی کی مزدور تحریک سب سے زیادہ پیش پیش رہی ۲۲ء میں جرمنی میں ٹریڈ یونین کے ممبر ۹ لاکھ مزدور تھے۔ لیکن ہٹلر کے عروج کے ساتھ ٹریڈ یونین کے ممبروں کی تعداد گھٹنے لگی۔ ۳۳ء میں ہٹلر جرمنی کا چانسلر منتخب ہوا اور اِس عہدہ کو حاصل کرنے کے لئے اُس نے بڑی بڑی سازشیں کیں۔ برسر اقتدار آنے کے بعد اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مزدور تحریک کا سر کچل دیا۔ ملک بھر میں ٹریڈ یونین کا وجود غیر قانونی قرار دیا گیا۔ ۲ مئی ۳۳ء کو اُن تمام عمارتوں پر قبضہ کر لیا گیا جہاں ٹریڈ یونین کے دفتر تھے، اور اس کے ساتھ ہی ٹریڈ یونین کے تمام کارکن گرفتار کر لئے گئے۔

ٹریڈ یونین کی جگہ پر ایک نئی انجمن (Labour Front) کے نام سے قایم کی گئی جس کے ممبر مزدور اور کارخانوں کے مالک دونوں ہوتے تھے یہ جماعت ناتسیوں کی سرکاری سیاسی مزدور جماعت تھی۔ اس کی ظاہری شکل، امریکہ کی 'کمپنی یونین' کی سی تھی۔ اس کا مقصد مزدوروں کو ناتسی خیال کا بنانا اور 'باغی مزدوروں' کی مخبری کرنا تھا۔

جرمنی میں مزدوروں کے لئے جو قوانین رائج ہیں، انھوں نے مزدوروں کو سیاسی اعتبار سے بالکل مفلوج کر دیا ہے۔ ان قوانین کی رو سے کام کے متعینہ اوقات کے علاوہ 'قومی ضرورت' کے پیش نظر حکومت جتنی دیر چاہے مزدوروں سے کام لے سکتی ہے اگر کوئی مزدور کام کرنے سے انکار کرے تو اُس پر بغاوت کے جرم میں مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ اگر کسی فوجی کارخانہ میں مزدور کام کرنے سے انکار کریں تو اُن کو سزائے موت دیجاتی ہے۔ ہڑتالیں اور مظاہرے اگرچہ قانونی طور پر ممنوع نہیں ہیں مگر جہاں کہیں ہڑتال یا مظاہرہ کا امکان پیدا ہوا فوراً قوت کے زور سے اُس کا سدباب کر دیا جاتا ہے۔

۳۹ء میں جو قوانین مزدوروں کے لئے مرتب کئے گئے ہیں اُنھوں نے تو مزدوروں کی آزادی کا بالکل ہی خاتمہ کر دیا ہے اب کوئی مزدور اپنی خوشی سے ایک کارخانہ میں کام چھوڑ کر دوسرے کارخانہ میں نہیں جا سکتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُجرت کی کمی یا

کارخانہ دار کی بدسلوکی کی وجہ سے وہ ملازمت سے مستعفی بھی نہیں ہو سکتا۔

ٹریڈ یونین کے غیر قانونی قرار پانے کے بعد مزدوروں نے خفیہ کارروائی کا سلسلہ شروع کیا۔ صنعتی علاقوں میں انھوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے حلقے بنائے۔ ابتدا میں یہ حلقے صرف چند ممبروں پر مشتمل ہوتے تھے۔ یہ لوگ کسی خفیہ مقام پر جمع ہو کر تبادلۂ خیال کرتے اور آیندہ کے لئے پروگرام بھی بناتے۔ جب مختلف شہروں میں یہ حلقے قایم ہو گئے تو اُن کی ایک مرکزی انجمن مرتب کی گئی۔

ناتسیوں نے مزدوروں کی خفیہ تحریک کا مقابلہ کرنے کے لئے گسٹاپو (Gestapo) یعنی خفیہ پولیس کا محکمہ قایم کیا جس کے اختیارات بیحد وسیع تھے۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر ملک میں ظلم و تشدد کا طوفان برپا ہو گیا۔ لیکن مزدور خفیہ طور پر اپنی تحریک چلاتے ہی رہے۔ اور اس سلسلہ میں اُنھوں نے عجیب عجیب شکلیں اختیار کیں مثلاً اُن کو مزدوروں میں اشتہار بانٹنا ہوتا تو وہ یہ کرتے کہ صبح کے وقت جب مزدور ہزاروں کی تعداد میں اپنے اپنے کارخانوں کو جاتے تو عین اُسوقت ایک شخص بڑی تیزی کے ساتھ موٹر سائکل پر اُن کے قریب سے گزرتا اور اشتہاروں کے پلندے اُن کی قطاروں میں پھینکتا جاتا۔ راستہ چلنے والے مزدور بیحد احتیاط کے ساتھ داہنے بائیں دیکھ کر اُن اشتہاروں کو اُٹھاتے اور جلدی جلدی پڑھکر وہیں ڈال دیتے۔

ابھی اس واقعہ کو زیادہ دیر نہ گزرنے پاتی کہ چاروں طرف سے گسٹاپو کی موٹریں پہونچ جاتیں۔ پہلے وہ لوگ اُن اشتہاروں کو جمع کرتے پھر کارخانوں میں جاکر اُس کے متعلق تحقیق و تفتیش کا کام شروع کرتے۔ مزدوروں کی تلاشی لی جاتی کہ اُن کے پاس کوئی اشتہار موجود تو نہیں ہے۔ اگر کسی قسمت کے مارے کے پاس کوئی اشتہار ملجاتا تو اُس کو فوراً گرفتار کر لیا جاتا۔

گسٹاپو والوں کو جب کسی 'مزدور حلقے' کا پتہ چلتا ہے تو اپنے کسی معتمد کو اُس حلقہ میں داخل ہونے کا حکم دیتے ہیں یا وہ کسی ایسے مزدور کو تاک لیتے ہیں جو حلقہ کا ممبر ہو۔ پھر اُس مزدور سے ایک آدمی کسی قہوہ خانے میں ملتا ہے۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی ہیں پھر سیاست پر تبادلۂ خیال شروع ہوتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے اندر وہ ہٹلر کے خلاف زہر افشانی شروع کرتا ہے۔ غریب مزدور یہ سمجھتا ہے کہ یہ بھی 'ہمارا' آدمی ہے اور بہت سی باتیں اُس کو بتلا دیتا ہے۔

ابھی اس واقعہ کو پورا ایک ہفتہ بھی ہونے نہیں پاتا کہ ایک شام کو جب وہ مزدور گھر واپس لوٹتا ہے تو دروازے پر اُسکو گرفتاری کا حکمنامہ ملتا ہے۔ پولیس کے آدمی پہلے تو اُس کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے ہیں، سگرٹ اور قہوہ سے اُس کی تواضع کی جاتی ہے تاکہ وہ آسانی سے اپنا راز ظاہر کر دے، لیکن جب اس طرح سے کام نہیں چلتا تو وہ سختی پر اُتر آتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان مصائب کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں اور کچھ لوگ عاجز آکر راز ظاہر کر دیتے ہیں۔

اب یہاں سے گسٹاپو کی خدمات کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جو حالات گرفتار شدہ مزدور سے معلوم ہوتے ہیں اب اُن کی روشنی میں وہ دوسرے مزدوروں کو گرفتار کرنے نکلتے ہیں۔ بعض اوقات گرفتاری کا یہ سلسلہ دس بیس اور پچاس سے متجاوز ہو کر سیکڑوں تک پہونچ جاتی ہے۔

۱۹۳۶ء میں سٹیٹن اسٹیشن جماعت کے ۲۸۰ مزدور گرفتار ہوئے۔ مقدمہ شروع ہوا، لیکن کسی ملزم کی رو سے زیادہ پیشیاں نہیں ہوئیں۔ اگرچہ اُن کے خلاف جو فرد جرم لگائی گئی تھی وہ معمولی نہ تھی یعنی اُن کے خلاف حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کا الزام لگایا گیا تھا۔ لیکن حکومت نے زیادہ چھان بین کرنے یا ملزموں کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقعہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اِن بدنصیبوں کو جو سزائیں دی گئیں اُن کی تفصیل بھی سن لیجئے۔ جو لوگ صرف مزدور جماعت کے ممبر تھے اور عملی طور پر کسی سرگرمی کا اظہار نہیں کرتے تھے اُن کو ایک سال سے دو سال تک کی سزائیں دی گئیں۔ جن لوگوں نے اشتراکی کتابیں پڑھی تھیں یا دوسروں کو پڑھنے کے لئے دی تھیں اُن کو دو سال تک کی سزائیں دی گئیں۔ وہ لوگ جن کے مکانوں پر انجمنوں کے جلسے ہوئے تھے اُن کو تین سال کی سزا دی گئی اور جنھوں نے انجمن کے ممبروں کی تعداد بڑھانے میں سرگرمی کا اظہار کیا تھا، اُن کو چار سال کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک اور دلچسپ بات ہے اور وہ یہ کہ جب ان لوگوں کی میعاد ختم ہو جائیگی تو اُن کو کچھ دنوں کے لئے ایک مخصوص مقام پر رکھا جائے گا جہاں اُن کو ذہنی تربیت ہوگی اور اُس مقام پر اُسوقت رہیں گے جب تک کہ وہ پکے نیشنل سوشلسٹ نہ ہو جائیں۔

اس سلسلہ میں جرمن کے ایک نوجوان اور فاضل بیرسٹر ہانس لٹن کا قصہ بڑا دردناک ہے۔ اُس کو مزدوروں کی تحریک سے تو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن ایک پیشہ ور بیرسٹر کی حیثیت سے اُس نے اکثر مزدوروں کے مقدمات کی پیروی ضرور کی تھی اس نے ۱۹۳۱ء میں ایک مقدمہ کے سلسلہ میں ہٹلر پر جرح بھی کی تھی۔ فروری ۱۹۳۳ء میں گرفتاریوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ ہانس لٹن بھی گرفتار ہوا۔ اُس پر نہ تو کوئی جرم لگایا گیا اور نہ مقدمہ ہی چلایا گیا۔ جون ۱۹۳۳ء میں خفیہ پولیس کے چند افسر جیل میں اُس کے پاس گئے اور اُس کو مجبور کیا کہ وہ یہ اقرار کرے کہ ۱۹۳۱ء میں اُس نے جس ملزم کے مقدمہ کی پیروی کی تھی اور جس کو عدالت نے بری کر دیا تھا وہ دراصل مجرم تھا۔ ہانس لٹن نے اس سے انکار کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اُس کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور بدتمیزیاں ناتسی خفیہ پولیس کے افسروں نے روا رکھیں وہ کسی طرح بھی بیان نہیں کی جا سکتیں۔ دو ایک روز کے بعد برلن کے اخباروں میں یہ خبر شایع کی گئی کہ ہانس لٹن نے اس کا اعلان کیا ہے کہ جس ملزم کی ۱۹۳۱ء میں انھوں نے پیروی کی تھی اور عدالت نے جس کو بری کر دیا تھا وہ دراصل مجرم تھا۔ کسی طرح سے ہانس لٹن کو اس کی اطلاع ملی اُس نے کچھ جوڑ توڑ لگا کر اس خبر کی تردید بعض اخبارات میں شایع کرا دی اور اس کے ساتھ ہی اُس نے زہر بھی کھا لیا تاکہ اس مصیبت و ابتلا کی زندگی سے دائمی نجات حاصل کرے مگر زہر کے اثر کرنے سے پہلے جیل کے لوگوں کو معلوم ہو گیا اور اُس کی جان بچا لی گئی۔ اب اُس کو مجبور کیا گیا کہ وہ یہ خبر شایع کرائے کہ جو تردید اُس کی طرف سے شایع ہوئی وہ جھوٹی ہے لیکن اس کے لئے کسی طرح بھی وہ آمادہ نہ ہوا۔ اب اُس کو بائن برگ کے جیل میں منتقل کر دیا گیا اور کھیت میں کام کرنے پر لگایا گیا جہاں کھیت جوتنے کی مشین اُس کے پیروں پر چل گئی۔ ایک پیر کٹ کر الگ ہو گیا اور دوسرا بُری طرح مجروح ہوا۔

اس کی خبر شدہ شدہ انگلستان پہونچی تو ۱۹۳۶ء میں انگلستان کے مشہور بیرسٹروں نے ملکر ایک درخواست جرمن حکومت کے پاس روانہ کی کہ اگر ہانس لٹن کو رہا نہ کیا جائے تو کم از کم کچھ آسانیاں ہی اُس کے لئے فراہم کی جائیں لیکن اس کا کوئی جواب نہیں آیا بلکہ ۱۹۳۷ء میں وہ دوسری مراعات سے اُس کو محروم کر دیا گیا جو زخمی ہونے کے بعد اُس کو دی گئی تھیں۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد یہ نوجوان ہونہار بیرسٹر اس دُنیا سے چل بسا۔

جذبات بھاشا

کا جدید اڈیشن، کاغذ و کتابت نہایت نفیس۔ قیمت بارہ آنہ (۱۲) علاوہ محصول۔ منیجر نگار لکھنؤ

برطانیہ اِس جنگ میں کتنا خرچ کر رہا ہے

برطانوی وزیر مالیات اور وزیر خزانہ سر کنگسلے وڈ (Sir Kingsley Wood) نے اپنے ایک تازہ بیان میں بتلایا ہے کہ موجودہ جنگ تاریخ انسانی کی سب سے زیادہ قیمتی جنگ ہے۔ ۱۹۱۴ء تک سب سے بڑی جنگ جس میں برطانیہ نے شرکت کی، وہ جنگ تھی جو نپولین کے خلاف لڑی گئی۔ یہ جنگ ۲½ سال تک جاری رہی اور اس پر ۸۳ کروڑ ۱۰ لاکھ پونڈ خرچ ہوا تھا، اسکے بعد گزشتہ جنگ عظیم کا خرچ اُس جنگ سے بہت بڑھ گیا۔ مگر یہ تمام خرچ موجودہ جنگ کے صرف دس ہفتوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ گویا آج ایک مہینے کی جنگ پر جتنی رقم خرچ ہوتی ہے وہ اسوقت ایک سال کی جنگ کے لئے ضروری ہوتی تھی۔ برطانوی حکومت یومیہ ایک کروڑ ۲۲ لاکھ ۵۰ ہزار پونڈ خرچ کرتی ہے اور اس کے باوجود اخراجات کی شرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ سات مہینے ہوئے جب یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ ۳۱ مارچ کو ختم ہونے والے مالی سال تک برطانیہ کو جنگ کے اخراجات کے لئے ۲۰۸۰۰۰۰۰ پونڈ کی ضرورت ہوگی۔ مگر یہ رقم بھی کروروں پونڈ کم ثابت ہوئی ہے اور اسی لئے پارلیمنٹ نے ۶۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ کے نئے مالی قرضہ کی اجازت دی۔

اس جنگ میں اخراجات جس تیزی سے بڑھے ہیں اس کا صحیح اندازہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ گزشتہ دو صدیوں میں جنگ کے برطانوی اخراجات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ اسٹوارٹ بادشاہوں کے زمانہ میں بجٹ کی مقدار صرف چند لاکھ پونڈ تک ہوتی تھی لیکن گزشتہ جنگ عظیم چھڑنے کے دوسرے ہی روز حکومت کو پارلیمنٹ سے ۱۰ کروڑ پونڈ کے لئے ووٹ لینا پڑا تھا۔ اسوقت یہ رقم بہت بڑی سمجھی گئی تھی اور کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ آئندہ جنگ میں اس رقم کی حیثیت دریا میں ایک قطرہ کی سی ہوگی۔ آخر کار جنگ عظیم کے اختتام تک یعنی ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۸ء کے درمیان برطانیہ کو ۸۴۱۷۰۰۰۰۰ پونڈ خرچ کرنے پڑے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قومی قرضہ بہت بڑھ گیا۔

دس لاکھ پونڈ فی ہفتہ

نپولین کی لڑائیاں فرانس کے لئے مقابلتاً سستی تھیں کیونکہ اس ملک کا مجموعی صرفہ ۲۵۵۰۰۰۰۰ پونڈ ہوا تھا لیکن برطانیہ کو چونکہ بڑی بڑی فوجیں حرکت میں لانی تھیں اس کا خرچ بہت زیادہ ہوا — ان لڑائیوں میں صرف کریمیا کی جنگ کا خرچ ۲۱۳۰۰۰۰۰ پونڈ تھا جس میں روس کا خرچ ۱۴۲۰۰۰۰۰ پونڈ، فرانس کا خرچ ۱۸۰۰۰۰۰ اور برطانیہ کا خرچ ۷۸۰۰۰۰۰ پونڈ فی ہفتہ تھا۔

امریکہ کی خانہ جنگی میں امریکن قوم نے ۱۶۰۰۰۰۰ پونڈ فی ہفتہ خرچ کیا تھا۔ ۱۸۷۰ء کی فرانس جرمن جنگ کے بعد شکست خوردہ کو ۳۶۲۰۰۰۰۰ پونڈ یعنی ہفتہ وار ۷۰۰۰۰۰۰ پونڈ سے زیادہ تاوان اپنے ماتحتوں کو دینا پڑا تھا۔ جنوبی افریقہ میں برطانیہ کی جنگ کا خرچ ۱۰ لاکھ پونڈ ہفتہ وار سے زیادہ تھا۔

گزشتہ جنگ عظیم جسے اب پہلی عالمگیر جنگ کہا جاتا ہے برطانیہ کا خرچ اس لئے بہت زیادہ ہوا تھا کہ اسے اپنے دیسوں یعنی

فرانس اور روس کو بھی بڑی بڑی رقمیں امداد کے لئے دینی پڑی تھیں لیکن اس کے سوا۔ دوسرے عناصر بھی موجود تھے یعنی چیزوں کی قیمت اور کاریگروں کی اُجرت بھی بہت بڑھ گئی تھی ۱۹۱۲ء میں ایک شخص فی ہفتہ اتنے ہی پونڈ کماتا تھا جتنے شلنگ اپنے آباد اجداد کی جنگ کے زمانہ میں کماتا تھا۔ دوسرا عنصر یہ تھا کہ جدید قسم کی برّی فوجوں، بحری بیڑوں اور نئی ہوائی طاقت کے سامان و اسلحہ پر بڑی رقمیں لگانی پڑی تھیں، جنوبی افریقہ کی جنگ کے زمانہ تک یہ حال تھا کہ ایک سپاہی کو ایک بندوق اور ایک تلوار سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہ تھی اور جن اطراف سے وہ فوجیں گزرتی تھیں وہیں ان کو رسد یعنی کھانے پینے کی چیزیں مل جاتی تھیں۔

اس زمانہ کا مقابلہ موجودہ حالات سے نہیں کیا جا سکتا۔ اب قیمتیں بہت مختلف اور بہت بڑھی ہوئی ہیں اور فوجوں کے جدید میکانی ذرایع اور مشینیں مہیا کرنے کے لئے اتنی بھاری رقمیں خرچ کرنی پڑی ہیں جتنی کہ پہلی عالمگیر جنگ میں خرچ نہیں کرنی پڑتی تھیں پچھلی جنگ میں یہ اندازہ لگایا تھا کہ میدان جنگ کی پہلی صف یعنی سب سے اگلے مورچہ پر ایک سپاہی کو رکھنے کے لئے پیچھے کام کرنے والے سات آدمیوں کی ضرورت تھی، لیکن آج کی جنگ میں بیس آدمیوں سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے ..... جو گولہ بارود طیار کریں اور مشین بنائیں اور سپلائی کا انتظام کریں ــــ سابق چانسلر آف دی ایکسچیکر سر جان سائمن کے زمانہ میں جو اعداد و شمار طیار کئے گئے تھے ان سے برطانیہ کی فوجی اخراجات پر اچھی روشنی پڑتی ہے ملاحظہ ہو:-

(۱) بری فوج، سپاہیوں کے کھانے، کپڑے، طبی امداد، ٹریننگ، جائے قیام، نقل و حرکت (ٹرانسپورٹ) اور اس کے ساتھ بندوقوں چھوٹے اسلحہ اور خندق کی جنگ کے سامان اور ٹینک اور انتظامی اخراجات کی جنگ کے لئے فی کس ۶۰۰ پونڈ۔ (۲) ایر فورس (شہنشاہی ہوائی بیڑہ) کھانے، کپڑے اور قیام وغیرہ کے لئے فی کس ۴۰۰ پونڈ اور ہوائی جہاز اور اس کے لوازمات وغیرہ کے لئے فی کس ۱۶۰۰ پونڈ یعنی مجموعی رقم فی ہوا باز ... ۲ پر پرزے (۳) (بحری بیڑہ) کھانے، کپڑے، ٹریننگ وغیرہ کے لئے فی کس ۱۴۰ پونڈ اور جنگی جہاز سپاہی ۵۲ پونڈ اس میں نئے جہازوں کی تعمیر کی رقم شامل نہیں ہے۔ یہ تخمینہ ایک سال پہلے طیار ہوا تھا اور اب یقین کیا جاتا ہے کہ ان رقموں میں بڑا اضافہ ہوگا اور موجودہ اخراجات کروروں پونڈ تک پہونچ گئے ہیں۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو برطانیہ کے قومی قرضہ کی رقم ۷۶۱۰۰۶۲۳۰۹۰۴ پونڈ تھی جو اس ملک کی تاریخ میں سب سے زیادہ تھی۔ ۱۹۱۴ء میں یہ رقم صرف ..... ۶۴۹ پونڈ تھی اس قرضہ کے سود کی ادائگی اور اسکے انتظامی شعبوں کے لئے ..... ۲۳ پونڈ کی رقم سالانہ ادا کرنی پڑتی ہے۔ اگر یہ قرضہ بہت بڑھ جائے گا تو ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں سود اور دیگر اخراجات بھی بہت زیادہ ہو جائیں گے اس لئے دور اندیش ماہرین اقتصادیات نے یہ مشورہ دیا ہے کہ موجودہ جنگ کے اخراجات کو زیادہ تر ٹیکسوں ہی سے پورا کرنا چاہیے اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو آنے والی نسل پر بہت بڑا بار پڑ جائے گا۔ اسی سلسلہ میں مسٹر ڈونلڈ ٹائر میں کہتے ہیں کہ جنگ کے سلسلہ میں برطانوی اخراجات کا تخمینہ جو ..... ۱۲۲۵ پونڈ روزانہ لگایا گیا ہے وہ اب صحیح نہیں ہے اور اس وقت برطانیہ اس جنگ پر تقریباً ..... ۱۴ پونڈ روزانہ صرف کر رہا ہے۔ تخمینہ بہر حال تخمینہ ہے اور صحیح اعداد و شمار جنگ کے اختتام ہی پر معلوم ہو سکتے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مختلف محاذوں پر اس وقت غالباً ..... ۱۴ پونڈ روزانہ سے کچھ زیادہ ہی رقم خرچ ہو رہی ہوگی۔

اب صرف بارہ مہینے پہلے ہی کے حالات پر اگر نظر ڈالی جائے تو موجودہ خرچ کو ایک اقتصادی انقلاب کہا جا سکتا ہے اگر آپ چاہیں تو اسے مالی نقطۂ نگاہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنگ کا صرفہ دوگنے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے اور سیاسی یا انتظامی زاویۂ نگاہ سے یہ کہہ سکتی ہے کہ رفتہ رفتہ مسٹر چرچل نے لوگوں اور ملکیتوں پر اختیار حاصل کر کے جنگ کے لئے سامانوں کی پیداوار کی طاقت بہت بڑھا دی ہے ــــ یہ تو معلوم نہیں کہ ۱۹۴۱-۴۲ء میں پورا خرچ کیا ہوگا؟ لیکن یہ قیاس کیا جا رہا ہے۔ کہ اپریل ۱۹۴۱ء سے لیکر مارچ ۱۹۴۲ء تک پوری پوری قومی آمدنی کا نصف یا ۱/۲ شہریوں کے ہاتھوں سے بلکہ حکومت کے ہاتھوں سے خرچ ہوگا۔

مشرقِ بعید اور جاپان

مشرقِ بعید مشرقِ بعید، ایشیا کے مشرق میں وہ عظیم الشان خطۂ زمین ہے جو سائبیریا کے برفانی (Arctic Circle) سے خطِ استوا پار کرتا ہوا آسٹریلیا کے جنوب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس خطہ میں شمال سے جنوب تک مختلف آب و ہوا پائی جاتی ہے جس کا مشرقِ بعید کی سیاست پر بڑا اثر پڑا ہے۔ مثلاً روسی بندرگاہ، ولاڈی واسٹک جاڑے کے موسم میں برف سے ڈھک جاتا ہے اور جہاز رانی کے قابل نہیں رہتا۔ روس کے پاس مشرق میں چونکہ کوئی ایسا بندرگاہ نہ تھا جہاں جاڑے کے زمانہ میں تجارت ہو سکے، اس لئے اُس نے جنوب کی طرف بندرگاہ آرتھر پر قبضہ کرنا چاہا جہاں ولاڈی واسٹک کے مقابلہ میں زیادہ گرمی پڑتی ہے اور سال کے بارہ مہینے تجارت ہو سکتی ہے۔ لیکن جاپان، اس بندرگاہ پر اپنا قبضہ جمائے رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے روس سے اور اُس سے تصادم ہو گیا۔ شمالی ایشیا اور شمالی جزایر جاپان میں اتنی سردی پڑتی ہے کہ خود جاپان، جنوب کے گرم ممالک کی طرف بڑھنا چاہتا تھا، اس لئے روس سے اور اُس سے تصادم ہو گیا۔ شمالی ایشیا اور شمالی جزائر جاپان میں اتنی سردی پڑتی ہے کہ خود جاپان، جنوب کے گرم ممالک کی طرف بڑھنا چاہتا ہے۔ شمالی آسٹریلیا اتنا گرم ہے کہ یورپ والے وہاں آباد ہونے کے زیادہ خواہشمند نہیں ہیں لیکن یہی گرمی، جاپان کو پسند ہے۔

بہرحال، آب و ہوا کے لحاظ سے مشرقِ بعید کو اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سائبیریا، منگولیا اور منچوریا ٹھنڈے خطے ہیں جہاں جاڑے میں کثرت سے برف گرتی ہے موسم گرما مختصر ہوتا ہے مگر اُس زمانہ میں سخت گرمی بھی ہوتی ہے۔ شمالی چین میں شدید سردی پڑتی ہے۔ جاپان میں، سمندر کے دھاروں کی وجہ سے، آب و ہوا معتدل اور خوشگوار رہتی ہے۔ جنوبی چین، انڈوچائنا، تھائی لینڈ (سیام) جزائر شرق الہند اور بحرالکاہل کے مجمع الجزائر میں تیز دھوپ بھی ہوتی ہے اور پانی بھی خوب برستا ہے۔ شمالی آسٹریلیا میں ریگستان کی ایک پٹی ہے جہاں بارش نہیں ہوتی، نیو ساؤتھ ویلس کی آب و ہوا معتدل ہے اور جنوبی نیوزی لینڈ میں سردی پڑتی ہے۔

مشرقِ بعید کی ایک اور خصوصیت، وہ طویل فاصلے ہیں جو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پائے جاتے ہیں۔ بحرالکاہل نہایت وسیع ہے اور مشرقِ بعید، بحرالکاہل کے مغرب میں، اُس کے شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے۔ شمالی آسٹریلیا کے بندرگاہ ڈارون سے سنگاپور تک ۱۹۰۲ میل کا فاصلہ ہے۔ سنگاپور سے چین کے بندرگاہ، ہانگ کانگ تک ۱۴۴۰ میل ہیں اور بندرگاہ ڈارون سے ہانگ کانگ تک ۲۵۱۲ کی مسافت ہے۔ کانگ کانگ سے جنوبی جاپان کے بندرگاہ ایوکوہاما تک ۲۵۱۲ میل کا فاصلہ ہے۔

سمندر، مشرقِ بعید میں اہم ترین درجہ رکھتا ہے۔ پہاڑوں کے ناقابل گزر سلسلہ کی وجہ سے مشرقِ بعید کے ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہونچنے کے لئے سمندر ہی سب سے آسان راستہ ہے۔ وسطی چین کا مرکز ہانکو، سمندر سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے لیکن اگر کوئی شخص ہندوستان سے وہاں جانا چاہے تو سمندر ہی کی طرف سے جائے گا، حالانکہ یہ راستہ خشکی کے

راستہ سے دو ناطویل ہے۔ اس لحاظ سے سمندر ہی مشرق بعید کے رسل و رسایل اور تجارت کا بہترین ذریعہ ہے اور اکثر ایک ملک سے دوسرے ملک تک صرف بحری راستہ ہی سے تجارت ہو سکتی ہے۔ ان اُمور کی وجہ سے مشرق بعید کی سیاست اور تجارت دونوں پر سمندر کا اثر بہت زیادہ ہے

مشرق بعید کے ممالک

اگر آپ مشرقِ بعید کے شمال سے جنوب تک نگاہ ڈالئے تو آپ کو حسب ذیل ممالک نظر آئیں گے۔

(۱) **روس** = مشرق بعید میں روس کی جنوبی سرحد، کوریا تک ہے۔ اس حصّہ میں ولاڈی واسٹک روس کا خاص بندرگاہ ہے، جو جاڑے میں برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ سائبیرین ریلوے، مشرقی روس کی خاص ریلوے لائن ہے جس سے مشرقی اور مغربی روس کے مابین سلسلۂ رسل و رسایل قایم ہے۔ مشرق بعید میں روس کا سب سے بڑا حریف جاپان ہے۔ ایک طرف شمالی چین میں جاپان نے منچوریا کی حکومت قایم کر کے روسی ریلوے لائن اور روسی علاقہ کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے دوسری طرف جاپان ہی کی وجہ سے دوسرے کو مشرقِ بعید میں کوئی گرم بندرگاہ نہیں مل سکا ہے منچوریا (منچوکو) کے جواب میں روس نے بیرونی منگولیا میں ایک آزاد جمہوریت قایم کر دی ہے جہاں دراصل روس ہی کی حکومت ہے۔ سخالین نامی تیل کے جزیرہ کے نصف پر بھی روس کا قبضہ ہے۔ مشرقِ بعید میں روس کی کافی فوجیں رہتی ہیں لیکن اس حصّہ میں روس کا بحری بیڑہ بہت معمولی ہے۔

(۲) **جاپان** = جاپان دراصل ایک بحری طاقت ہے مگر وہ براعظم ایشیا پر اپنا اقتدار قایم کرنا چاہتا ہے۔ خاص جزائر جاپان کے علاوہ، کوریا، منچوکو، شمالی چین کا میدان، دریائے یانگ ٹس کی وادی اور چین کا اکثر و بیشتر ساحل، جاپان ہی کے قبضہ میں ہیں۔ فرانس کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد انڈوچائنا پر بھی اب اُس کا اقتدار قایم ہو گیا ہے اور تھائی لینڈ (سیام) پر بھی کچھ کافی اثر ہے۔

(۳) **چین** = جنرل چیانگ کے شنک، کی حکومت مغربی اور جنوبی چین پر قایم ہے،

(۴) **انڈوچائنا** ۔ (سیام) انڈوچائنا پر فرانس کی حکومت ہے مگر جاپان نے یہاں اپنے لئے فضائی اور بحری اڈے حاصل کر لئے ہیں۔ سیام خود مختار ہے مگر اُس پر جاپان کا اثر ہے۔ یہ دونوں ممالک درحقیقت جاپان کے لئے جنوب کی طرف بڑھنے کی دو منزلیں ہیں۔

(۶) **برطانیہ** = ملایا، شمالی بورنیو، جزیرۂ ہانگ کانگ اور سنگاپور مشرق بعید میں برطانیہ کے خاص مقبوضات ہیں جو مشرقِ بعید میں برطانیہ کی تجارت قایم رکھنے کے لئے نہایت اہم مقامات ہیں۔ سنگاپور برطانیہ کا خاص بحری مرکز ہے۔

(۷) **ہالینڈ** = جزائر شرق الہند پر ہالینڈ کی حکومت ہے۔ یہ جزائر تیل، ربر اور دوسری معدنیات کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ جاوا، اہم ترین جزیرہ ہے۔

(۸) **آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ** = یہ دونوں برطانیہ کی نوآبادیاں ہیں۔

(۱۰) **ریاستہائے امریکہ** = جزائر فلپین، امریکہ کے مقبوضات میں شامل ہیں۔ مشرقِ بعید سے امریکہ کا تجارتی مفاد وابستہ ہے۔ جزائر شرق الہند سے امریکہ کو بہت کچھ تجارتی سامان حاصل ہوتا ہے۔ جاپان چاہتا ہے کہ مشرق بعید کے تمام ممالک کی معدنیات اُس کے ہاتھ میں رہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو امریکہ کی تجارت اور صنعت و حرفت کو سخت نقصان پہونچیگا

اس لئے وہ کبھی اس امر کو گوارا نہیں کر سکتا کہ جزائر شرق الہند، جاپان کے قبضہ میں چلے جائیں۔

جاپان کی جارحانہ پالیسی

جاپان کی ترقی ابھی تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے۔ اُنیسویں صدی کے قبل، جاپان کو کوئی خاص اہمیت نہ تھی لیکن اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں اُس نے مغربی ممالک کی طرز پر ترقی کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا، ملک میں متعدد اصلاحات نافذ کی گئیں اور جلد ہی اُس کا شمار دُنیا کی متمدن اقوام میں ہونے لگا۔ اسی کے ساتھ جاپان کی تجارتی اور سیاسی اہمیت بڑھنے لگی اور جاپان نے ملک گیری کی پالیسی پر عملدرآمد شروع کر دیا سنہ ۱۸۹۴ء میں اُس نے چین پر حملہ کر کے فارموسا پر قبضہ کر لیا اور کوریا کے علاقہ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں روس نے مشرق بعید میں ایک گرم بندرگاہ حاصل کرنے کے لئے زرد سمندر کی طرف بڑھنا چاہا مگر جاپان نے اُس کے اِس اقدام کی مخالفت کی اور سنہ ۱۹۰۴-۵ء کی جنگ میں روس کو شکست دی۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں اُس نے کوریا پر قبضہ کر لیا۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں اُس نے برطانیہ کا ساتھ دیا اور اُسی دوران میں اُس نے جرمنی سے ٹسنگ ٹاؤ لے لیا اور جنگ کے بعد جزائر مارشل پر جاپان کا انتداب تسلیم کر لیا گیا۔ جنگ کے دوران میں جاپان نے حکومت چین کے سامنے پندرہ مطالبات پیش کئے اور گو چین نے جاپان کی حسب خواہش کئی مطالبات تسلیم کر لئے لیکن موخرالذکر کبھی مطمئن نہ ہوا اور چین پر اُس کی دست درازیاں جاری ہیں ۱۸ ستمبر سنہ ۳۱ء کو جاپان نے چین کے علاقہ منچوریا پر حملہ کر دیا اور ۱۸ فروری سنہ ۳۲ء کو منچوریا اور چین کے ایک دوسرے علاقہ جیہول کو ملا کر، اُس نے ایک نئی حکومت قایم کر دی، جس کا نام منچوکو رکھا گیا منچوکو برائے نام آزاد ہے ورنہ اُس پر جاپان کی حکومت ہے۔ منچوکو کے بعد، جاپان نے بقیہ چین کی طرف نظر ڈالی۔ ۷ جولائی سنہ ۳۷ء کو مارکوپولو کے پل کے قریب چند جاپانی اور چینی سپاہیوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ جاپان نے اس جھگڑے کو بہانہ بنا کر، چین پر حملہ کر دیا۔ چینیوں نے جنرل چیانگ کے شک کی زیر قیادت، جاپان سے مقابلہ کرنے کا عزم کیا اور اُسوقت سے جنگ چین و جاپان کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ ابھی تک جاری ہے گو اس دوران میں جاپان نے چین کے مزید علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے مگر چینیوں کی تاب مقاومت ختم نہیں ہوئی ہے اور جاپان کو اِس جنگ کی وجہ سے کثیر نقصان ہو رہا ہے۔ موجودہ جنگ چھڑنے کے بعد، جب فرانس نے ہتھیار ڈالے تو جاپان نے فرانسیسی ہندی چین میں اپنے لئے بحری اور فضائی اڈے مانگے۔ فرانس کو جاپان کے یہ مطالبات تسلیم کرنا پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندی چین کے علاوہ، جاپان نے سیام پر ابھی اپنا کافی اثر قائم کر رکھا ہے۔ اِسی دوران میں جاپان نے جرمنی اور اٹلی سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے جاپان نے یورپ میں اٹلی اور جرمنی کی قیادت تسلیم کر لی اور موخرالذکر ہر دو ممالک نے ایشیا میں جاپان کو قائد مان لیا۔ اب جرمنی کی طرح جاپان نے یہ دعویٰ کرنا شروع کیا ہے کہ وہ ایشیا میں ایک نیا نظام قایم کرنا چاہتا ہے۔ اس نئے نظام سے جاپان کا یہ منشاء ہے کہ ایشیا اور مشرق بعید میں جاپان کا اقتدار تسلیم کر لیا جائے اور جزائر شرق الہند وغیرہ، جاپان کے زیر اثر جائیں۔

جاپان کی موجودہ پالیسی کے اسباب

جاپان جس پالیسی پر گامزن ہے، اُس کے تین وجوہ ہیں۔ (۱) جاپان کی بڑھتی ہوئی آبادی۔ (۲) جاپانی مصنوعات کی نکاس کے لئے بازار پیدا کرنے کی خواہش۔ (۳) خام پیداوار حاصل کرنے کی خواہش۔

جاپان کی موجودہ آبادی تقریباً سوا دس کروڑ ہے۔ اور اُس کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے جاپان کی پہاڑی سرزمین ناکافی ہے۔ منچوریا کا علاقہ آبادی کے مسئلہ کو حل کر سکتا تھا، مگر وہاں کی سرد آب و ہوا جاپانیوں کو پسند نہیں ہے، اس لئے زیادہ مناسب

خطۂ ارض کی تلاش ہے۔ جاپانی محنتی تاجر ہیں مگر بہر بازار میں انھیں یورپین تاجروں سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے اس لئے اگر بعض ممالک پر جاپان کا اقتدار قایم ہو جائے تو وہاں اس کی مصنوعات کی نکاس ہو سکتی ہے۔ چین پر اقتدار قائم کر لینے سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور کچھ صنعتی مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں۔ سائنس کی ترقی اور جدید آلات کی ایجاد نے تیل، ربر اور اسی قسم کی بعض دوسری معدنیات کی اہمیت بہت زیادہ کر دی ہے۔ چین میں نہ تیل پایا جاتا ہے نہ ربر۔ جزائر شرق الہند میں تیل، ربر اور دوسری معدنیات بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ، وہاں چاول بھی کثرت سے ملتا ہے اور آب و ہوا بھی اچھی ہے۔ اس لئے جاپان موقعہ سے فایدہ اُٹھا کر جنوب کی طرف بڑھنا تو چاہتا ہے لیکن وہ چین سے دستکش ہونے کے لئے بھی طیار نہیں ہے، کیونکہ جنگِ چین کی وجہ سے ایک تو یونہیں اُسے کافی پریشانی ہو رہی ہے، دوسرے اُسے خیال ہے کہ اگر چین کی طرف سے کچھ بھی غفلت برتی گئی تو چین کی روز افزوں قوت اور چینیوں کا بڑھتا ہوا حوصلہ، چین میں اُس کے اُس تمام اقتدار کو ختم کر دے گا جو برسوں کے بعد حاصل ہو سکا ہے۔

جاپان کی جنوبی پیشقدمی کے راستہ میں مشکلات

بہر حال جاپان، جزائر شرق الہند، ملایا، جزائر فلپین، جنوبی مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا تک قبضہ کرنا چاہتا ہے، لیکن اُسکی اس پیشقدمی کے راستہ میں حسب ذیل رکاوٹیں ہیں:

(۱) ہالینڈ کی فوج، جو جزائر شرق الہند میں موجود ہے۔ جاپانی بحری بیڑہ اور جاپان کی فوجی طاقت کے سامنے یہ فوج نہیں ٹھہر سکتی

(۲) برطانیہ — سنگاپور میں برطانیہ کا ایک نہایت زبردست بحری مرکز ہے بلکہ وہاں برطانوی ہوائی جہاز بھی پائے جاتے ہیں اور ملایا میں کافی تعداد میں فوج بھی ہے جس میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ہندوستان کے سپاہی شامل ہیں۔ جنوب کی طرف بڑھنے میں جاپان کو سنگاپور کے بحری بیڑہ، ہوائی بیڑہ اور فوج کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

(۳) امریکہ۔ جس نے جزائر فلپین میں اپنی طاقت مجتمع کر رکھی ہے۔ جب تک جزائر شرق الہند، ہالینڈ کے ہاتھ میں ہیں، امریکہ کو وہاں سے بدستور خام پیداوار ملتی رہے گی لیکن اگر جاپان نے اُن پر قبضہ کر لیا تو امریکہ اُن کی خام پیداوار سے محروم ہو جائے گا اس لئے وہ جاپان کو آگے نہیں بڑھنے دے گا۔

(۴) جاپان، اور جزائر شرق الہند، ملایا، آسٹریلیا کے مابین طویل بحری فاصلہ ہے اول تو سمندر پار کر کے کسی دوسرے ملک پر قبضہ کرنا ہی مشکل ہے، دوسرے ایسی صورت میں جب کہ جاپان اور متذکرۂ بالا ممالک میں فاصلہ بھی کافی ہے اور برطانیہ نیز امریکہ، جاپان کی کسی جارحانہ کارروائی کو گوارا نہیں کر سکتے، جاپان کے لئے آسان نہیں ہے کہ وہ امریکن اور برطانوی بحری بیڑوں سے بچ کر ان مقامات پر فوجیں اُتار دے۔

سمندر اور فاصلہ کی مشکلات سے بحری اور فضائی اڈوں کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ جاپان، اگر برطانیہ اور امریکہ کی مرضی کے خلاف مشرق بعید کے جنوب کی طرف بڑھنا چاہے، تو اُسے اپنے بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں کے لئے مختلف مقامات پر اڈوں کی ضرورت ہوگی۔ بغیر اڈوں کے نہ ہوائی جہاز دور تک اُڑ سکتے ہیں اور نہ بحری جہاز بہت طویل سفر کر سکتے ہیں۔ دونوں کو مرمت اور دوبارہ تیل وغیرہ بھرنے کے لئے مستقروں کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ ضرورت بحرالکاہل میں اور بھی زیادہ ہے جہاں ایک ملک سے دوسرے ملک تک کافی فاصلہ ہے۔ اسی لئے جاپان، مشرق بعید میں اپنے لئے زیادہ سے زیادہ بحری اور فضائی مرکز حاصل کرنا چاہتا ہے۔

بحرالکاہل کے فضائی اور بحری مرکز بحرالکاہل کے شمالی حصہ میں جاپان کے پاس کئی بحری اور فضائی مرکز ہیں۔ کوریا میں راشن اور منچوکو میں بندرگاہ آرتھر، جاپان کے بہت اچھے بحری مرکز ہیں جہاں جاڑے میں برف نہیں جمتی۔ ان بحری مرکزوں سے روس کے بندرگاہ ولادی واسٹک اور زرد سمندر کی نگرانی کی جاسکتی ہے۔ فارموسا کے مرکز شنگھائی اور ہانگ کانگ کی نگرانی کرتے ہیں۔ جزائر فلپین کے مشرق میں جزائر پیلو اور سپین کے مرکز ہیں۔ جزائر جاپان کے جنوب میں ایک اور مرکز بونن میں واقع ہے۔ یہ تمام بحری اور فضائی مرکز، اُن مرکزوں کے علاوہ ہیں جو خاص جاپان میں واقع ہیں مثلاً یوکوہاما کا اہم مرکز۔ مگر ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ تمام مرکز بحرالکاہل کے مغرب میں واقع ہیں، مشرق میں نہیں اور اس کمی کی وجہ سے جاپان، جنگ چھڑ جانے کی صورت میں امریکہ پر اپنے بحری یا ہوائی جہازوں کی مدد سے حملہ نہیں کرسکتا۔ جاپان نے فرانسیسی ہندی چین میں ہپ ہانگ اور ہنوائے میں بھی اپنے بحری اور فضائی مرکز قایم کرلئے ہیں۔ جنوبی چین میں ہنان بھی جاپان کا ایک مرکز ہے۔

امریکہ = امریکہ کے مغربی ساحل کے کنارے شمال سے جنوب تک متعدد بحری مرکز واقع ہیں۔ ان مرکزوں کے علاوہ، بحرالکاہل کے وسط میں امریکہ کا بہترین مرکز، جزیرۂ ہوائی کا پرل ہاربر ہے۔ مگر یہ مرکز جاپان سے ۲۵۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جزیرۂ ہوائی کے قریب امریکہ کے کئی اور جزیرے ہونولولو وغیرہ ہیں۔ ان کے مغرب میں ویک اور گوام کے بحری مرکز ہیں۔ گوام جاپانی جزیروں کے جھنڈ میں واقع ہے اور جاپانی مرکز سپین کے جنوب میں ہے۔ جزائر فلپین میں منیلا امریکہ کا خاص مرکز ہے۔ جنوبی بحرالکاہل میں جزائر سمون میں بھی امریکہ نے اپنا بحری مرکز بنا رکھا ہے۔

برطانیہ = مشرقِ بعید میں برطانیہ کا خاص بحری مرکز، سنگاپور ہے جو اپنے محلِ وقوع اور فوجی انتظامات کی وجہ سے نہ صرف برطانیہ کا بلکہ پورے مشرقِ بعید کا اہم ترین بحری مرکز کہا جاسکتا ہے۔ برطانیہ کے دوسرے بحری مرکز آسٹریلیا میں، بندرگاہ ڈاروِن اور نیوزی لینڈ میں، آکلینڈ میں، مشرقی چین میں برطانیہ کا بحری مرکز ہانگ کانگ، ہے۔

روس = مشرقِ بعید میں روس کا بحری مرکز ولادی واسٹک ہے مگر وہ جاپان اور جاپانی مرکزوں کے قریب واقع ہے جہاں سے اُس پر بآسانی بمباری ہوسکتی ہے۔

فرانس = فرانسیسی ہندی چین کے جنوب میں سیگون اور اُس سے کچھ شمال میں خلیج کمبراں فرانس کے اہم بندرگاہ ہیں، مگر اچھے بحری مرکز نہیں۔

شرق الہند = جزائر شرق الہند میں سرابیا اور ایسوٹنا کے بحری اڈے ہیں۔

بحرالکاہل کا محاذ جنگ اگر امریکہ اور جاپان میں جنگ چھڑ جائے، تو خشکی کی لڑائی قریب قریب ناممکن ہے اور بحری جنگ بھی، بحرالکاہل کی وسعت کی وجہ سے جم کر نہیں لڑی جاسکتی۔ یوکوہاما سے سان فرانسسکو تک ۵۰۷۰ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ اتنا طویل ہے کہ بڑے سے بڑے جہاز بھی ایک ملک سے دوسرے ملک تک لڑنے کی غرض سے نہ جائیں گے۔ امریکہ اور جاپان کے ساحلوں کے مابین بھی طویل فاصلہ ہے اور اُس کے علاوہ، امریکن اور جاپانی بحری مرکز بھی ایک دوسرے سے عموماً اتنی دور پر واقع ہیں کہ ایک ملک کے بحری جہازوں کا اپنے مرکز سے چل کر دوسرے ملک کے بحری مرکز پر حملہ کرنا دشوار ہے۔ ایسی صورت میں جنگ چھڑنے پر صرف یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں ملکوں کے جہاز بحرالکاہل میں

ادھر اُدھر گھومتے رہیں اور موقع پاکر فریق مخالف کے تجارتی جہازوں پر حملہ کردیں۔ ہاں اگر کبھی فریقین کے بیڑوں میں اتفاق سے مڈبھیڑ ہوجائے تو البتہ کوئی زبردست بحری معرکہ ہوسکتا ہے ـــــ اگر امریکہ، برطانیہ اور شرق الہند متحد ہوکر جاپان سے جنگ کریں تو اس کا ضرور امکان ہے کہ بحرالکاہل کا محاذ جنگ سمٹ کر زیادہ تر مشرقی ایشیا کے ساحلوں کے قریب آجائے گا، کیونکہ برطانیہ کے بحری مرکز مغربی بحرالکاہل میں واقع ہیں۔ فضائی جنگ میں بھی فاصلہ کا سوال وہی صورت پیدا کرتا ہے جو بحری جنگ میں ہوسکتی ہے۔ امریکہ ایک نئے قسم کے بمبار ہوائی جہاز طیار کر رہا ہے، جو ہزار میل کی طاقت پرواز رکھتے ہیں۔ اگر یہ ہوائی جہاز امریکہ نے استعمال کئے، تو مقامات کی دوری سے فضائی جنگ پر کوئی خاص اثر نہ پڑے گا، البتہ بمبروں کی کثرت سے صرف ہوگا۔

جاپانی پیشقدمی کے راستے

جنوب کی طرف جاپان کی پیشقدمی میں سب سے پہلے فرانسیسی ہندی چین پڑتا ہے۔ جاپان نے حکومت فرانس کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاکر ہندی چین میں اپنے فضائی اور بحری مرکز قایم کرلئے ہیں مگر اتنا اُس کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے وہ سب سے پہلے خلیج کمبران اور سیگون کے فرانسیسی بندرگاہ لینے کی کوشش کرے گا۔ اس کے بعد وہ تھائی لینڈ (سیام) کے بندرگاہ بینگ کوک پر قبضہ کرنا چاہیگا۔ اس کا امکان تو نہیں ہے کہ فرانس اور سیام صرف جاپان کے کہنے سے یہ بندرگاہ اُس کے حوالہ کردیں البتہ اگر جاپان اُن پر بزور قبضہ کرنا چاہے اور ان دونوں ممالک کو برطانیہ یا امریکہ کی امداد نہ پہونچے تو اُن پر جلد قبضہ کیا جاسکتا ہے۔

ان مقامات پر قبضہ کرنے کے بعد، جاپان بحرالکاہل میں اپنے موجودہ بحری اور فضائی مرکزوں کو زیادہ مضبوط کریگا اور کوشش کرے گا کہ امریکہ کے مرکز منیلا کے چاروں طرف اس طرح جاپانی مرکز قایم ہوجائیں کہ منیلا کا مرکز جاپانی مرکزوں سے گھر جائے۔ اس کے بعد، جاپان جزائر شرق الہند کی طرف بڑھنا چاہے گا لیکن اس منزل پر جاپان اور امریکہ سے لڑائی چھیڑ جانا یقینی ہے اور جاپان بغیر کسی ملک کی مزاحمت کے جزائر شرق الہند کے کسی جزیرہ پر قبضہ نہیں کرسکتا۔ جزائر شرق الہند کو چھوڑکر جاپان، سیام اور سیام سے برما اور ملایا کی طرف بھی متوجہ ہوسکتا ہے۔ لیکن اول تو اس کی مطلق امید نہیں کہ سیام، اپنی آزادی جاپان کے حوالہ کردے دوسرے اگر جاپان کسی طرح سیام پر قبضہ بھی کرلے تو سیام کی طرف سے برما اور ملایا کی طرف بڑھنا معمولی بات نہیں۔ برما اور سیام کی سرحد ضرور ملی ہے لیکن بیچ میں اتنے گھنے جنگل اور پہاڑیوں کا ایسا زبردست سلسلہ ہے کہ اُدھر سے گزرنا آسان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ملایا میں برطانیہ نے اپنی فوجی طیاریاں مکمل کرلی ہیں۔ سنگاپور کی بحری تیاریوں کے علاوہ سر رابرٹ بروک پوفم کی زیر قیادت، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ہندوستان کی کافی فوجیں وہاں موجود ہیں اور ہر جاپانی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اچھی طرح سے مسلح اور منظم ہیں۔ ان فوجوں کی موجودگی میں اس کا امکان نہیں کہ جاپانی فوجیں اپنے وطن سے اتنی دور رہ کر آگے بڑھ سکیں گی۔

جاپان کی جنگی طاقت

اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا، اگر جاپان کی جنگی طاقت پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ جاپان کے پاس ۵۰ لاکھ تربیت یافتہ محفوظ (ریزرو) سپاہیوں کی فوج ہے۔ اس کا شمار دُنیا کی بہترین فوجوں میں ہوتا ہے۔ اندازہ ہے کہ اس وقت ۲۰ لاکھ جاپانی سپاہی، چینیوں سے مصروف کارزار ہیں۔ جاپان کا بحری بیڑہ اپنی طاقت کے لحاظ سے دُنیا کا تیسرا طاقتور ترین بیڑہ سمجھا جاتا ہے۔ پہلا نمبر برطانوی بیڑہ کا ہے اور دوسرا امریکن بیڑہ کا۔ جاپانی بحری بیڑہ کی بالکل صحیح تفصیل تو نہیں بتائی جاسکتی البتہ اندازہ ہے کہ جاپان کے پاس، موجودہ جنگ کے آغاز کے وقت

۹ جنگی جہاز، ۱۴ بھاری کروزر، ۲۴ ہلکے کروزر، ۱۱۲ تباہ کن جہاز، ۶۰ آبدوزیں اور ۶ طیارہ بردار جہاز تھے۔ ان جہازوں کے علاوہ، کئی نئے جہاز بھی زیر تعمیر ہیں۔ جاپان نے اپنے بحری بیڑہ کی صحیح تعداد بتانے سے انکار کر دیا ہے۔ ہوائی جہاز بھی جاپان کے پاس کافی ہیں مگر اُن کی صحیح تعداد بھی نہیں بتائی جا سکتی۔

جاپان اور طرزِ جدید کی جنگ

اس میں شک نہیں کہ یہ طاقت معمولی طاقت نہیں کہی جا سکتی لیکن جاپان کی جنگی مشین میں کئی خامیاں بھی پائی جاتی ہیں اور چونکہ جاپان نے ابھی تک کسی طاقتور ملک کے مقابلہ میں طرزِ جدید کی جنگ نہیں لڑی ہے، اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اگر اب برطانیہ اور امریکہ سے لڑا، تو اُن سے کہاں تک عہدہ برآ ہوگا۔

گزشتہ جنگ عظیم میں وہ برطانیہ کا حلیف تھا لیکن اُس زمانہ میں اُسے نہ تو کوئی خاص لڑائی لڑنا پڑی اور نہ اُسے مغربی طاقتوں کی طرح جنگ کی تمام ہولناکیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلی لڑائی میں جاپان کے بحری بیڑہ نے آسٹریلیا سے فوجیں لانے میں برطانیہ کی ضرور کچھ مدد کی اور بحر الکاہل میں وہ گشت بھی لگاتا رہا لیکن اس کے علاوہ اُسے کوئی خاص بحری معرکہ نہیں لڑنا پڑا۔ صرف ٹسنگ ٹاؤ میں البتہ وہ جرمنی کی ایک چھوٹی سی فوج سے لڑا تھا اور بس۔ ۱۹۰۴-۵ء میں وہ روس سے بھی لڑا تھا لیکن اُس زمانہ میں روس بہت کمزور تھا۔ اُس کی فوجیں بہت غیر منظم تھیں، اُس کا سلسلۂ رسل و رسایل بہت خراب تھا اور اُس کی فوجوں کو اپنے مرکز سے ہزاروں میل دور لڑنا پڑا تھا جہاں سے سامان رسد پہونچنے میں بھی سیکڑوں دقتیں تھیں۔ پھر بھی جب روس اور جاپان میں صلح ہوئی ہے تو روسی فوجوں کو پورے طور سے شکست نہیں ہوئی تھی۔ وہ منچوریا میں جاپانی فوجوں سے دوبارہ لڑنے کے لئے طیار تھیں مگر ملک کے اندر انقلاب ہو جانے کی وجہ سے روس کو جاپان سے مجبوراً صلح کرنا پڑی تھی۔ ۱۹۱۶ء میں ٹسنگ ٹاؤ میں صرف ۶ ہزار جرمن فوجوں نے جاپان کے بحری بیڑہ کا تین مہینے تک مقابلہ کیا تھا۔ سائبیریا میں بھی جاپانی مداخلت ناکام ثابت ہوئی تھی۔ گزشتہ تین برس سے چین میں جو جنگ ہو رہی ہے، اُسے بھی معیار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ چینی فوجوں کے پاس نہ جدید ترین آلاتِ حرب ہیں اور نہ وہ ملک کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے اچھی طرح منظم ہو سکی ہیں۔ پھر بھی اُنھوں نے جاپان کو ناکوں چنے چبوا دئے ہیں۔ لاکھوں جاپانی سپاہی مارے جا چکے ہیں اور مالی حیثیت سے چین کی جنگ جاپان کے لئے سخت مضر ثابت ہوئی ہے اس کے باوجود جاپان ابھی تک چین پر قبضہ نہیں کر سکا ہے بلکہ چینیوں کی تابِ مقاومت زیادہ، اور جاپان کی مکمل کامیابی دشوار تر ہوتی جاتی ہے۔

جاپان کی خامیاں

بہرحال، جاپان کی خامیاں معلوم کرنے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اُس کے پاس غلہ اور خام پیداوار جس کے بغیر آجکل کوئی جنگ نہیں لڑی جا سکتی، کہاں تک ہے۔

غلّہ ۔ کسی جنگ کو کامیاب طریقہ سے جاری رکھنے کے لئے ملک میں غلّہ اور دیگر اشیاء خوردنی کی فراوانی ضروری ہے۔ غلّہ کے بغیر نہ فوج لڑ سکتی ہے اور نہ عوام جنگ کے مصائب برداشت کر سکتے ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں جرمنی کی شکست کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جرمن عوام اور جرمن فوجیں دونوں غلّہ کی کمی کی وجہ سے فاقہ کر رہے تھے اور فاقہ کر کر کے ان کے لئے جنگ کرنا ناممکن تھا۔ روس کو بھی اسی وجہ سے شکست ہوئی تھی کہ ملک میں غلّہ کم پڑ گیا تھا، سلسلۂ رسل و رسایل خراب کیا تھا اور صنعت و حرفت معطل ہو گئی تھی۔

جاپانیوں کی خاص غذا چاول، جو، سویا، مچھلی اور میٹھے آلو ہیں۔ چاول ملک کی ۲/۳ آبادی استعمال کرتی ہے۔ چاول کی جگہ پر جو اور میٹھے آلو بھی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ جاپانی عوام کا معیارِ غذا بہت پست ہے۔ اسی وجہ سے چاول وغیرہ زیادہ کھائے جاتے ہیں۔ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں ان چیزوں کے دام بڑھ جانا یقینی ہیں۔ گزشتہ جنگ عظیم میں جب کہ جاپان کوئی نمایاں حصہ نہیں لے رہا تھا۔ غلّہ کے نرخ میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہوتا رہتا تھا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۱۶ء میں چاول کا نرخ فی کوکو (جاپانی وزن) ۱۳ء۶۹ ین (جاپانی سکّہ) تھا مگر یہی نرخ بڑھتے بڑھتے ۱۹۱۸ء میں فی کوکو ۴۲ء۶۹ ین ہو گیا۔ پچھلی جنگ میں جاپان کا یہ حال تھا، اور اگر جاپان اب کسی زبردست طاقت سے نبرد آزما ہوا، تو نتیجہ معلوم ہے۔ غلّہ کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ضرور ہوگا اور یہ اضافہ جاپانی عوام کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

خام پیداوار ۔ جاپان میں خام پیداوار بہت کم ہے اس لئے اُسے تمام ضروری سامان دوسرے ملکوں سے منگوانا پڑتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جاپان، جلد سے جلد مشرق بعید کے جنوبی ممالک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہاں وہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں جنھیں جاپان کو اپنی روزمرہ کی زندگی اور خاص کر جنگ چھڑ جانے کی حالت میں سخت ضرورت ہے۔ جاپان میں جو چیزیں نہیں پائی جاتیں یا اگر پائی بھی جاتی ہیں تو بہت کم وہ حسب ذیل ہیں :- لوہا، اسٹیل، منگنیز - ربر - تیل - روئی - اون اور کھال۔ تانبا بھی ضرورت سے کم پایا جاتا ہے۔ منچوکو اور چین کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد بھی جاپان کی ضروریات پوری نہیں ہو سکی ہیں۔ جاپان نے منچوریا پر قبضہ کرنے کے بعد جو سرمایہ وہاں زراعت، صنعت و حرفت اور معدنیات میں لگایا تھا، اُس سے ابھی تک مصنوعات کو کوئی زیادہ فایدہ نہیں پہونچا ہے ——— چین کی جنگ سے بھی اُسے کوئی فایدہ نہیں پہونچا ہے بلکہ جنگ چین کی وجہ سے چین کی بازاروں میں جاپانی مصنوعات کی جو بکری ہوتی تھی وہ بند ہو گئی ہے۔ امن کے زمانہ میں جاپان کو اپنی صنعتی ضروریات کے لئے خام اشیاء امریکہ اور برطانیہ وغیرہ سے ملتی رہتی ہیں، لیکن اگر جاپان میدانِ جنگ میں آگیا تو یہ چیزیں اُسے ملنا بند ہو جائیں گی اور پھر اُسوقت اُن کی کمی کہیں سے پوری نہ ہو سکے گی۔ جاپان کے جارحانہ رویہ کو مدنظر رکھتے ہوئے، امریکہ نے ابھی سے جاپان جانے والی کئی چیزوں مثلاً تیل اور دھاتوں کے ٹکڑوں پر پابندی عاید کر دی ہے۔

ان کے علاوہ، ملک میں دیگر معدنیات کی بھی کمی ہے۔ کارتوس، توپ کے گولے۔ ہاتھ سے پھینکنے والے بم، ہوائی جہاز کے بم، دوسرے اسلحہ جات اور سامان لیجانے والی گاڑیوں وغیرہ کے لئے، تانبا۔ زنک۔ ٹن۔ جستہ۔ المونیم وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ تانبا تو ضرور جاپان میں ملتا ہے مگر وہ بھی ضروریات کا ۸۰ فیصدی۔ جستہ، زنک، ٹن اور باکسائٹ (المونیم کا سامان بنانے کیلئے) قریب قریب بالکل نہیں ملتا۔ فولاد شکن گولوں، ہوائی جہاز کے اکثر پرزوں، تیل سے چلنے والی گاڑیوں کے لئے اعلیٰ درجہ کے اسٹیل کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے نکل، کرومیم اور منگنیز وغیرہ درکار ہوتے ہیں۔ جاپان، زمانۂ امن میں ان تمام اشیاء کو غیر ممالک سے منگواتا ہے۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد ان اشیاء کی ضروریات دوگنی ہو جائیں گی۔ سوال یہ ہے کہ اُسوقت جاپان کو وہ کہاں سے دستیاب ہوں گی؟ - آتشگیر بموں کی طیاری میں ربر اور روئی وغیرہ کی ضرورت ہے مگر جاپان ان کے لئے بھی دوسروں کا محتاج ہے۔

اسلحہ سازی = خام پیداوار سے محروم ہونے کے علاوہ، جاپان ابھی بعض ضروری اسلحہ جات کافی تعداد میں نہیں طیار کر سکتا، مثلاً ہوائی جہاز، ہوائی جہازوں کے انجن، بڑی توپیں، ٹینک اور بڑی گاڑیاں وہ بہت کم بنا سکتا ہے۔ انجینرنگ اور اسلحہ سازی

کے بعض ضروری اجزا تو وہاں بالکل نہیں طیار ہو سکتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر جاپان کو کسی بڑی طاقت سے لڑنا پڑا اور جنگ کے دوران میں اُس کے اسلحہ جات ضائع ہوئے تو وہ نہ اُن کی ٹھیک طرح سے مرمت کر سکتا ہے اور نہ اُن کے بجائے نئے اسلحہ جات جلد طیار کر سکتا ہے۔ جنگ کے دوران میں اسلحہ جات نہ طیار کر سکنا یا کم طیار کرنا، متحارب ملک کے لئے انتہائی نقصان دہ چیز ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم میں روس کے اسلحہ سازی کے کارخانے قریب قریب بیکار ہو گئے تھے اور ملک میں سامان جنگ کی طیاری بند ہو گئی تھی جس کا نتیجہ روس کے حق میں بہت خراب نکلا اور منجملہ دیگر اسباب کے روس کی شکست کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ کیمیاوی بجلی اور جہاز سازی کی صنعتیں جاپان میں بہت ترقی پر ہیں اور ان صنعتوں میں وہ ایجادات بھی کر سکتا ہے لیکن انجینیرنگ کے شعبہ میں وہ بہت پیچھے واقع ہوا ہے اور جنگ کے دوران میں کوئی جدید اسلحہ نہیں بنا سکتا۔

جاپان کا حال اور مستقبل

اوپر کی سطروں سے جاپان کے حال اور مستقبل کا بھی کچھ اندازہ ہو گیا ہوگا۔ جاپان اسوقت ایشیا میں اپنی قیادت کا خواب دیکھ رہا ہے اور اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اُس نے جرمنی سے دوستی کی ہے لیکن ملک گیری کی ہوس اُسے راس نہیں آئی ہے اور نہ اس کی امید ہے کہ وہ آیندہ اپنے ان ارادوں میں کامیاب ہوگا۔ اُس نے چین کے کئی علاقے ضرور چھین لئے ہیں مگر اس سے اُس کی دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ چین اُسکی مصنوعات کی نکاس کے لئے اچھا بازار تھا مگر اُس سے لڑائی مول لے کر اُس نے وہ بازار بھی اپنے لئے بند کر دیا ہے۔ اب اگر اُس نے جنوب کی طرف مزید پیشقدمی کی تو اُسے برطانیہ اور امریکہ دونوں سے جنگ کرنا پڑے گا اور اگر یہ جنگ چھڑ گئی تو بہت ممکن ہے کہ وہ اُس کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ گو جاپانی مدبروں نے ابھی تک اپنی روش نہیں تبدیل کی ہے لیکن انھیں غالباً مستقبل کا احساس ہے اس لئے وہ کوئی فیصلہ کن قدم نہیں اُٹھانا چاہتے۔ جاپان نے شاید اٹلی کی طرح جرمنی کے ساتھ اس امید پر معاہدہ کیا تھا کہ برطانیہ، جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈال دے گا اور اُسوقت جاپان کے لئے فتوحات کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ مگر فرانس کی شکست کے بعد برطانیہ کا اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ پر کمربستہ ہو جانا اور امریکہ کا برطانیہ کی پشت پناہی پر نظر آنا، جاپانی ارادوں کے لئے سدِ راہ ثابت ہو رہا ہے اور جاپان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کرے۔

۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۷ء تک برطانیہ میں ۶½ فی صدی آبادی بڑھی اور جرمنی میں ۴ فی صدی۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ بیکاری کا مسئلہ دونوں جگہ کس طرح طے کیا گیا:

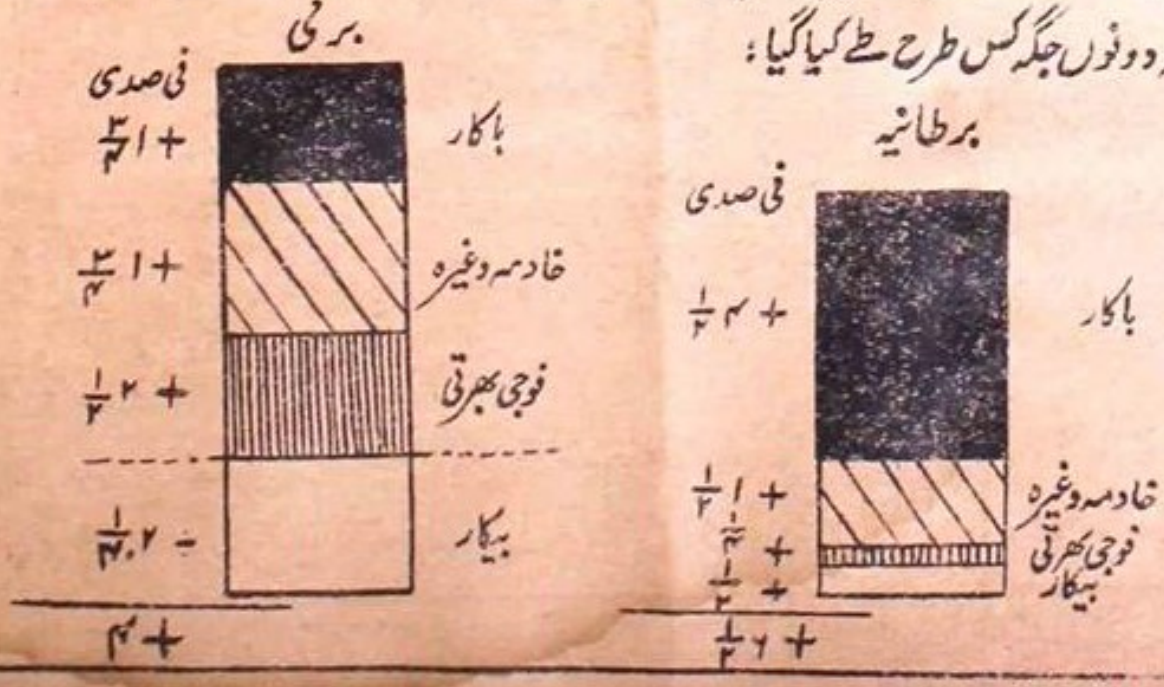

شام کی آزادی کا اثر جنگ پر

شام میں زیادہ تر عربوں کی آبادی ہے، لیکن کچھ قومیں اور بھی پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی تمام آبادی ۳۲ لاکھ ۸۰ ہزار نفوس پر مشتمل ہے، جن میں قومی تقسیم کی صورت حسب ذیل ہے:

سنی جماعت جو یہاں کی سب سے بڑی جماعت ہے ——— ۲۰ لاکھ

دروزی جماعت جو مصر کی فاطمی سلطنت کے قایم کئے ہوئے اسلام کی شاخ ہے۔ یہ جبل دروز میں رہتے ہیں جو شام کے شمال میں واقع ہے ——— ایک لاکھ ۳۲ ہزار

میرونائی عیسائی جماعت، یہ شمالی لبنان کے پہاڑوں میں آباد ہے ——— دو لاکھ ۴۰ ہزار

علوی جماعت جو زیادہ آزاد خیال جماعت ہے اور لبنان کے شمالی صوبہ میں رہتی ہے ——— دو لاکھ ۴۷ ہزار

آرمینی جماعت جو پچھلی لڑائی کے بعد زیادہ تر ترکی سے ہجرت کر کے یہاں آئی ہے ——— ایک لاکھ ۳۰ ہزار

یونانی عیسائی جو نسلاً عرب ہیں ——— دو لاکھ ۸۰ ہزار

شیعی آبادی ——— ایک لاکھ ۶۶ ہزار

بعض اور عیسائی جماعتیں ——— ایک لاکھ ۸۷ ہزار

آخری چار جماعتیں شام کے تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں لیکن دروزیوں، میرونائی عیسائیوں اور علوئین کو اس لئے زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ شام کے خاص خاص مرکزی مقامات میں انھیں کی اکثریت ہے۔ باقی پانچ جماعتیں بھی اپنی تاریخی روایات اور موجودہ زمانہ کی جدوجہد کے لحاظ سے بہت اہم سمجھی جاتی ہیں۔

جب ۱۹۱۹ء میں صلح ہوئی تو شام کے بابت یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ مجلس اقوام کی نگرانی میں فرانس کے سپرد کر دیا جائے (جیسے عراق انگریزوں کے سپرد کیا گیا تھا)، لیکن فرانس نہ شامیوں کو خوش رکھ سکا اور نہ اس کو ترقی دیکر آزادی کے منزل تک پہونچا سکا، چنانچہ ۱۹۲۶ء میں وہاں ایک سخت بغاوت ہوئی اور فرانس کو دمشق پر بمباری کرنا پڑی۔

۱۹۲۱ء میں فرانس نے سلیشیا کا زرخیز صوبہ جو ایشیائے کوچک اور ٹارس پہاڑ کے درمیان ساحل پر واقع ہے، ترکوں کے سپرد کر دیا (جس پر ایڈمیرل ڈارلان اب افسوس کرتا ہے)

فرانس چونکہ مجلس اقوام سے علٰحدہ ہو چکا ہے اس لئے اس کا حق شام پر قبضہ رکھنے کا باقی نہیں رہا تھا، لیکن برطانیہ نے اس کی غیر جانبداری کو دیکھتے ہوئے اس پر زیادہ توجہ نہیں کی اور بدستور فرانس کے پاس رہنے دیا، لیکن جب وشی حکومت کا

میلان جرمنی کی طرف ظاہر ہو گیا تو اس نے شام پر حملہ کر کے موعودہ آزادی سے قریب تر کر دیا۔

شام کی حکومت دو جمہوریتوں میں منقسم ہے۔ (۱) جمہوریت لیبان، جس کا صدر مقام بیروت ہے۔ اس میں طرابلس الشرق کی بندرگاہ بھی شامل ہے، جہاں تک موصل کی پائپ لائن آتی ہے اور ریاق کا ہوائی مرکز بھی۔

(۲) جمہوریت شام، جس میں علاوہ جمہوریت لیبان کے سارا علاقہ شامل ہے اور جس کا صدر مقام دمشق ہے۔

جمہوریت شام میں بعض صوبے ایسے بھی ہیں جن کو ایک نوع کی خود مختاری حاصل ہے ان میں ایک جبل دروز کا صوبہ ہے جو دروزی آبادی پر مشتمل ہے اور جسے پوری خود مختاری ملی ہوئی ہے، باقی لطاقیہ (جو علوی جماعت سے آباد ہے) اور جزویہ جو فرات، عراق اور ترکی سرحد کے درمیان ایک مثلثی شکل کا صوبہ ہے، پوری آزادی نہیں رکھتے۔ لیکن محکمۂ کروڑ گیری کے لئے شام کی تمام سرزمین ایک ہی قطعۂ زمین کا حکم رکھتی ہے۔

جب سے فرانس نے مجلس اقوام کی رکنیت ترک کر دی ہے، اسے شام پر قبضہ رکھنے کا کوئی قانونی حق حاصل نہیں رہا۔

لیکن اس سے پہلے ۲۱ سال کے زمانہ میں بھی جب مجلس اقوام کی نگرانی میں وہ یہاں کا حکمراں تھا، اس نے ملک کو آزاد بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اس لڑائی میں، دوسرے ملکوں کی طرح یہاں بھی جرمن لوگوں نے خشکی، پانی اور ہوا کے ذریعہ سے پہونچکر اپنا اثر جمانا شروع کیا، یہاں تک کہ فرانسیسی جنرل ڈنٹز (Dentz) بیدست و پا ہوگیا اور صرف اُن احکامات کا غلام ہوگیا جو نازیوں کے اشارہ اور ڈارلاں کے ذریعے سے اسے ملتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کا نظم و نسق گویا جرمن قونصل جنرل متعینہ بیروت اور جرمن گسٹاپو کے ہاتھ میں چلا گیا اور جنرل ڈی گال کی موافقت میں ہر تحریک کو کچلا جانے لگا۔ اس کے بعد دوسری منزل یہ تھی کہ جرمن فوجیں یہاں باقاعدہ قبضہ کرلیتیں اور اس سے حسب ذیل خطرات پیدا ہوجاتے:

(۱) ترکی چاروں طرف سے گھر جاتا۔

(۲) عراق اور موصل کے چشمے پر شام کے ہوائی اڈوں سے بہ آسانی حملہ ہوسکتا۔

(۳) فلسطین اور مصر پر خشکی اور ہوا دونوں سے حملہ آسان ہوجاتا۔

(۴) جزیرۂ قبرص بھی جرمن زد میں آجاتا۔

لیکن اب یہ تمام خطرے دور ہوگئے ہیں اور خاصکر جرمنی کی یہ امید کہ کسی وقت وہ عراق ہوتا ہوا خلیج فارس اور پھر وہاں سے ہندوستان تک پہونچ سکے گا بالکل ختم ہوگئی ہے۔

اب ترکی، عراق اور مصر کے مابین آمد و رفت اور تجارتی تعلقات بہت محفوظ ہوگئے ہیں اور بغداد ریلوے جو کسی جگہ شام کے علاقہ سے جاتی ہے اور کسی جگہ ترکی کے علاقہ سے، ترکی تجارت کے لئے آزادی سے کھلی رہے گی۔ علاوہ اس کے شام کے ساحلوں پر برطانوی اقتدار اسے جزیرۂ قبرص کی بھی حفاظت آسانی سے ہوسکے گی اور لیبیا میں جرمن فوجوں کو رسد بھی مشکل سے پہونچ سکے گی۔

برطانیہ نے شام کو بالکل آزاد کردینے کا وعدہ کیا ہے اور یہ وعدہ کوئی نئی چیز نہیں کیونکہ پچھلی لڑائی کے بعد صلح کانفرنس میں یہی وعدہ کیا گیا تھا، لیکن فرق یہ ہے کہ فرانس اس وعدہ کو ۲۱ سال کی مدت میں بھی پورا نہ کرسکا اور برطانیہ اس وعدہ کو جلد سے جلد پورا کرنے پر آمادہ ہے۔ جرمنی کی پالیسی مڈل ایسٹ میں یہ تھی کہ وہ ترکی کو چاروں طرف سے گھیر لیں اور پھر جرمن روسی اتحاد کی دھمکی دیکر اس کو اس بات پر راضی کرلیں کہ ترکی کے اندر سے جرمن فوجیں اور سامان حرب گزر سکے۔

یونان اور بحر ایجین پر جرمن قبضہ کا ایک مقصود یہ بھی تھا کہ اِدھر بحر روم کی طرف سے ترکی پر دباؤ ڈالا جائے اور دوسری طرف بحر اسود سے درۂ دانیال کے لئے خطرہ پیدا کرکے ترکی کو ایک ایسے معاہدہ کے لئے مجبور کیا جائے کہ جرمن فوجیں براہ ترکی مشرق تک پہونچ سکیں، لیکن شام پر برطانوی اقتدار ہوجانے سے یہ حالت بالکل بدل گئی اور ترکی، عراق، شام، ایران، مصر سب اطمینان اور آزادی کی سانس لینے لگے۔

جنگ کے زمانہ میں ہندوستان کا مالی انتظام

جنگ، صرف آبادی کے مختلف طبقوں ہی کو متحرک نہیں کر دیتی، بلکہ ملک کے اقتصادی وسائل اور ذرایع میں بھی ہیجان پیدا کر دیتی ہے اسی لئے ہر جنگ میں بالعموم اور آج کل کی جنگ میں بالخصوص روپئے، پیسے کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے، ہر چند روپیہ جنگ میں ہار جیت، کا فیصلہ نہیں کر سکتا، مگر انسانی تمدن کی بھلائی یا برائی پر اسکا امن اور جنگ دونوں زمانوں میں اس حد تک اثر ہوتا ہے کہ ملک کا استحکام بہت کچھ اس پر موقوف ہو جاتا ہے۔

گزشتہ جنگ عظیم میں، ہندوستان میں مالیات کا جو انتظام تھا اس میں بہت سے اقتصادی اور سیاسی نقائص تھے مگر موجودہ جنگ عظیم کے دوران میں ذمہ دارانِ مالیات نے اُن غلطیوں کو دوہرانے کی غلطی نہیں کی ہے اور اس سلسلہ میں جو سیاسی دور اندیشی اختیار کی گئی ہے وہ بھی لایق تحسین ہے۔

شاید اس کا سبب ریزرو بنک آف انڈیا، کا وجود ہو جو ہندوستانی مالیات کا ذمہ دار ہے اور جو گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں موجود نہیں تھا۔

موجودہ جنگ کا ہندوستان کے مالیات پر سب سے پہلا اثر "اجرائے زر کاغذی" (Note issue) پر پڑا ہے چڑھتی ہوئی قیمتیں، بڑھتی ہوئی تجارت، لوگوں کا روزگار سے لگ جانا، اشیاء کی ساخت و فراہمی اور حکومت کا بڑھتا ہوا خرچ سب نے مل ملاکر "نقدی زر مروجہ" کی مانگ بہت زیادہ بڑھا دی ہے۔ چنانچہ آغاز جنگ کے وقت ملک میں ایک ارب ۸۱ کرور روپئے کے نوٹ جاری تھے مگر اب یہ مقدار بڑھکر ۲ ارب ۷۰ کرور روپئوں تک پہونچ گئی ہے گویا اس عرصہ میں ۹۰ کرور روپیوں کی مالیت کے نوٹ جاری کئے گئے۔ ان اعداد میں ایک روپئے کے نوٹ نہیں شامل کئے گئے ہیں کیونکہ انھیں حکومت ہند نے جاری کیا ہے نہ کہ ریزرو بنک نے۔

نئے روپیوں اور چھوٹے سکوں کے اجراء کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو کل نقدی کے اجرا میں، ایک ارب ۳۰ روپیوں کی مالیت کا اضافہ ہوا۔ اس اضافہ کو یہ کہکر نہیں ٹالا جا سکتا کہ اس کی وجہ سے روپئے کی قیمت گر گئی ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ جنگ کی وجہ سے عام طور پر اقتصادی سرگرمی میں بھی ایک ہمہ گیر پھیلاؤ پیدا ہو گیا ہے۔

روپئے کی قیمت نہ گرانے کے باوجود، اور زر کاغذی کے اجراء کے علاوہ ریزرو بنک آف انڈیا نے بازاروں میں ایسے حالات قایم رکھے ہیں جن سے روپیہ کی ارزانی باقی رہے اور اس طرح سب سے پہلی مرتبہ آجکل کی ایک جنگ کے اخراجات زیادہ سے زیادہ ۳ فیصدی سود کی شرح کے قرضہ سے برداشت کئے جا رہے ہیں اور اسی لئے "دفاعی قرضہ جات" (Defence Bonds) اور جاری قرضہ جات (Floating loans) نہ صرف موجودہ ٹیکس دہندگان کے لئے بہت عزیز

ہوگئے ہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی بہت اہم ثابت ہوں گے۔ کیونکہ ہندوستان ایسے ملک کے لئے جو صنعت و حرفت میں بہت پیچھے ہے سود کی بڑھتی ہوئی شرح صنعتی ترقی کے لئے حد درجہ مضرت رساں ثابت ہے۔

ریزرو بنک کے "زرِ محفوظ" میں ۱۹۳۵ء سے ابتک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، لیکن سونے کی قیمت میں اضافہ کی وجہ سے اس "زرِ محفوظ" کی قیمت میں یقیناً دوچند سے زاید ہوگئی ہے۔ اگر ریزرو بنک، موجودہ قیمتوں کے مطابق اپنے "زرِ محفوظ" (۲ کرور ۹ تولے سونے کی) قیمت کا اندازہ کرے تو وہ ۴۴ کرور ۱۴ لاکھ سے بڑھکر تقریباً ۸۹ کرور کی ہوجائے گی۔ درانحالیکہ ریزرو بنک ہی دُنیا کا وہ بنک ہے جس نے سونے کی قیمت میں بڑھتے ہوئے اضافوں کے باوجود اپنے "زرِ محفوظ" کی قیمت نہیں بڑھائی۔

بعض حضرات "زرِ محفوظ" کی اس مقدار میں مزید اضافہ کے حامی ہیں۔ مگر یہ بات بیکار ثابت ہوگی، کیونکہ ملک کی داخلی و خارجی ضروریات کے لئے تو یقیناً "زرِ محفوظ" کی مقدار میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے اور جہاں تک عالمگیر اقتصادی نظام کا تعلق ہے اس میں بھی اب سونا وہ اہمیت نہیں رکھتا جو کسی زمانہ میں اسے حاصل تھی، کیونکہ آج دُنیا بھر کی کل مقدار زر کی ۸۰ فیصدی سے زاید مقدار امریکن تجوریوں میں پہونچ چکی ہے۔

ایک اور بہت اہم بات جو ہندوستانی مالیات کی تاریخ میں بالکل پہلی چیز ہے، یہ ہے کہ حکومت ہند کے وزیر مالیات نے ۹ کرور پونڈ کے اُس قرضہ کو جو ہندوستان پر پونڈوں کی صورت میں واجب الادا تھا، اب روپئوں (یعنی ایک ارب ۲۰ کرور روپئے) کی صورت میں دینا طے کیا ہے۔ ایک طرح سے اس قرضہ کو اپنے ملک کا قرضہ بنا لیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قرضہ ادا ہوگیا یا منسوخ ہوگیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رقم قرضہ بجائے اس کے کہ ممالک غیر میں رہے، اور پونڈوں کی صورت میں ادا کی جائے یہیں یعنی ہندوستان میں رہے اور اس کی بازادائی روپئوں کی صورت میں ہو۔ سود کی حیثیت سے حکومت ہند وہی رقم مہیا کرے گی جو وہ پہلے مہیا کرتی تھی، مگر اس رقم کو لندن میں پونڈوں کی صورت سے ادا کرنے کے لئے وہ مجبور نہ ہوگی۔ درانحالیکہ اب تک ایسا ہی ہوتا تھا، اس تبدیلی کی وجہ سے تقریباً ۴ کرور روپیہ سے زاید کی رقم، ہندوستانی عوام میں اِدھر سے اُدھر پھرا کرے گی اور بجائے اس کے کہ باہر بھیجدی جائے، وہ ہندوستانیوں کی قوت خرید کی حیثیت سے استعمال ہوگی۔ اس تبدیلی کی علت برطانوی حکومت کی وہ مجبوری ہے جس کی وجہ سے وہ اُن ہندوستانی اشیاء کی قیمت، جو برطانیہ اور مشرق وسطیٰ میں استعمال کرنے کے لئے خریدی جارہی ہیں، روپئوں کی صورت میں نہیں ادا کرسکتی۔ برطانیہ کے ذمہ اس طرح جو کل رقم واجب الادا ہوتی ہے وہ اس رقم سے کہیں زیادہ بڑھجاتی ہے جو ہندوستان کو برطانوی مال کی درآمد کرنے اور داخلی اخراجات کی کفالت کے سلسلہ سے دینا چاہئے۔ لہذا برطانیہ نے لندن میں ریزرو بنک کو اس رقم فاضل کی ادائی پونڈوں کی صورت سے ہندوستان کے حساب میں کردی۔ ریزرو بنک کی شاخ لندن کے شعبۂ جات اجراء (Issue) اور ساہوکاری (Banking) کے تمسکات دن دونی رات چوگنی رفتار سے بڑھتے جارہے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں ہندوستان جو ہمیشہ سے برطانیہ کا مقروض چلا آتا تھا قرضخواہ ہوگیا ہے اور برطانیہ جو ہمیشہ سے ہندوستان کا قرضخواہ چلا آتا تھا وہ آج مقروض ہوگیا ہے اور برطانیہ پر یہ قرضہ کا بار بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ہندوستان نے اس موقعہ سے فایدہ اُٹھایا اور اُس نے اپنے تمام قرضہ جات کو ادا کرنا شروع کردیا تاکہ وہ زیادہ شرح سود کے بارسے دیر تک نہ دبا رہے جس کی وجہ سے اُس کا منافع کم ہوتا جاتا۔ اس فیصلہ کا اعلان گزشتہ فروری میں کیا گیا اور ۶ مارچ تک ہندوستان نے تمام پونڈوں کی رقم فاضل واپس کردی، قبل اس کے کہ وہ واجب الادا ہوتی۔ اسی لئے

پونڈوں کے تمسکات میں ایسی آناً فاناً تبدیلیاں ہوئیں اور ریزرو بنک کے پاس اپنی ضروریات سے زیادہ پونڈوں کی مقدار اب بھی موجود ہے۔ ایک قرضخواہ اپنے قرضدار کو ہمیشہ مقروض رکھنا چاہتا ہے تاکہ سود کی شکل میں قرضدار اُس کی مستقل آمدنی کا ایک ذریعہ رہے۔ برطانیہ اور ہندوستان اس اُصول سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ اگر جنگ ۲۰ ماہ بھی اور جاری رہی تو ہندوستان ایک ارب ۵۰ کروڑ کا اپنا قرضہ بھی ادا کردے گا اور اس کے بعد برطانیہ واقعی اس کا مقروض ہوجائے گا۔

ہندوستان کی آیندہ نسلوں کے لئے یہ چیز بہت اہم ہوگی ہندوستان نے اپنے خارجی قرضہ کو داخلی قرضہ میں تبدیل کردیا ہے۔ یعنی اپنے خارجی قرضہ جات کی ادائی کرنے کے لئے اندرونی طور پر مقروض ہونے کی پالیسی اختیار کی گئی ہے۔ عام مالی مزعومات اور مسلّمات اس طریق عمل کے مخالف ہیں۔ وہ آنے والی نسلوں کو بھی جنگ کے اخراجات کا ذمہ دار بنانا چاہتے ہیں مگر یہ ناممکن بھی ہے اور خلاف انصاف بھی۔ اب ہندوستان کی آنے والی نسل کو اپنے گزشتہ قرضہ جات کے سود کی ادائی اپنے مال کی برآمد کی صورت میں، جیسا کہ ہوتا ہے۔ نہیں کرنا پڑے گی کیونکہ وہ مقروض ہی نہیں ہوگی۔ البتہ آنے والی نسل اس قرضہ پر سود ضرور ادا کرے گی جو خود اُس نے اپنی ضرورت کے لئے اپنوں سے لیا ہے اور جب سود کی ادائی غیر ملک کے بجائے اپنے ہی ملک کو ہوتی ہے تو یہ ملک گو مقروض رہتا ہے لیکن وہ قرضہ اس کی مالی فراوانی اور ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ بہ حالت جنگ غیر ملکی بازار میں تبادلۂ زر پر قابو رکھنا بھی بہت بڑا حربہ ہوتا ہے۔ ہندوستان میں یہ ذمہ داری ریزرو بنک کی "شاخ تبادلۂ زر" پر عاید ہوتی ہے۔ تبادلۂ زر پر قابو رکھنا اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ غیر ممالک سے سامان کی خریداری کے لئے انھیں ملکوں کے سکّوں میں ادائی کرنا پڑتی ہے۔ ریزرو بنک نے اب تک تمام بین الاقوامی تبادلۂ زر اور تجارت پر پورے اختیارات کے استعمال کے بعد اس مقصد میں بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور وہ ہندوستان یا برطانیہ کے لئے ممالک غیر سے تمام سامان خرید سکتا ہے۔

ہندوستان کے مالی استحکام کے سلسلہ میں ایک تیسری چیز نئے روپئے کے سکّہ کا اجراء ہے۔ چاندی کا روپیہ ۱۸۳۵ء میں جاری کیا گیا تھا اور ۱۹۴۰ء تک وہ وزن، صورت، جسامت، چاندی کی مقدار اور آواز کے لحاظ سے یکساں تھا مگر جنگ نے روپئے کی اصل قیمت میں تبدیلی کردی۔ نتیجتاً ایک نیا سکّہ روپیہ جاری کیا گیا جو پُرانے سکّہ سے وزن، صورت، جسامت میں تو بالکل یکساں ہے مگر اس میں چاندی کی مقدار ۹۲ فیصدی کے بجائے ۵۰ فیصدی کردی گئی۔ اسی لئے اُسکی آواز میں وہ تبدیلی بھی پیدا ہوگئی جسے روپیہ جمع کرنے والوں نے کبھی بھی پسند نہیں کیا، اسی لئے اب روپیہ زیادہ پھیل گیا ہے اور اس کی گردش میں زبردست تیز رفتاری پیدا ہوگئی ہے۔

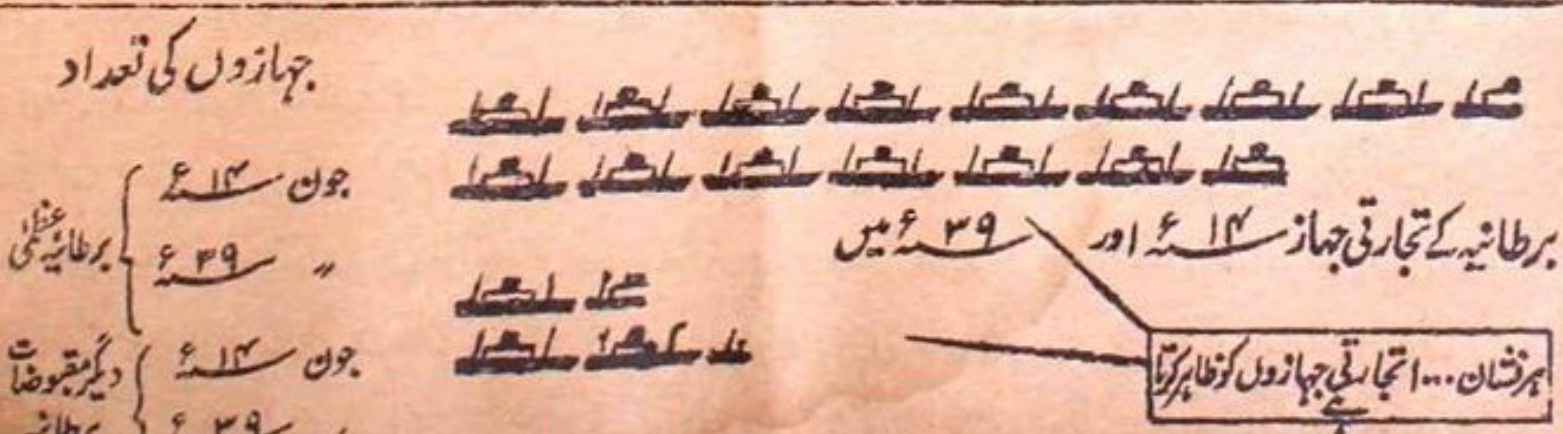

سائنس اور جنگ

بیسویں صدی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عقل اور سائنس کی صدی ہے اور سائنس آج انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں کارفرما ہے چنانچہ موجودہ لڑائی بھی صرف سائنس ہی کے بل بوتے پر لڑی جا رہی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ لوگ عام طور پر سائنس کے افادی پہلو کو نظر انداز کر کے صرف اُس کے تخریبی پہلو کو دیکھنے لگے ہیں۔

مصنوعی نائٹریٹ جس طرح انسان کی زندگی کے لئے ہوا پانی اور روشنی ضروری چیزیں ہیں، اسی طرح زمین کے لئے نائٹریٹ (Nitrate) ایک ناگزیر چیز ہے۔ یہ ایک مادہ ہے جو زمین کے اندر پایا جاتا ہے اور زمین کی زرخیزی کا بڑی حد تک اسی کی موجودگی پر انحصار ہوتا ہے۔ خصوصاً گیہوں کی کاشت کے لئے تو یہ بیحد ضروری ہے لیکن ان سب چیزوں سے زیادہ آتش گیر مادہ (Explosive) کے لئے نائٹریٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنوبی امریکہ کے سواحلی علاقہ میں اس کی بہت بڑی مقدار پائی جاتی ہے۔ جو دوسرے ملکوں کو بھیجی جاتی ہے۔

۱۹۱۴ء کی لڑائی میں جب جرمنی کی ناکہ بندی کی گئی تو وہاں اور چیزوں کے ساتھ ساتھ نائٹریٹ کی بھی کمی ہوئی۔ ابتداء میں جرمنی کا خیال تھا کہ یہ لڑائی چند مہینوں میں ختم ہو جائے گی مگر امید کے خلاف لڑائی نے طول پکڑا۔ ابتدا میں نائٹریٹ کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی کیونکہ اس کی کافی تعداد وہاں موجود تھی مگر جلد ہی محسوس کر لیا گیا کہ اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی تو جنگ کا جاری رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔ چنانچہ وہاں کے سائنسدانوں نے ۱۹۱۵ء کے اوائل میں مصنوعی نائٹریٹ کی کافی تعداد طیار کر لی۔

مصنوعی نائٹریٹ کی ایجاد نے لوگوں کے ذہن کو مصنوعی امونیا (Ammonia) بنانے کی طرف متوجہ کیا اور سائنسداں اس کوشش میں بھی کامیاب ہو گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اگر نائٹریٹ اور امونیا بنانے میں کامیابی نہ ہوتی تو چار سال تک لڑائی ہرگز جاری نہ رہ سکتی۔

مصنوعی پٹرول ضروریات جنگ کے سلسلہ میں پٹرول کا درجہ سب سے زیادہ ہے۔ ۱۹۰۹ء میں کچھ سائنسداں اس جستجو میں رہے کہ زمین کے اندر کوئلہ کس طرح بنتا ہے، جب اس جستجو میں وہ کامیاب ہو گئے تو اُن لوگوں نے مصنوعی کوئلہ بنانے کی کوشش شروع کی۔ اسی سلسلہ میں مصنوعی پٹرول طیار کرنے کا نسخہ بھی ہاتھ آگیا۔ یہ قصہ ۱۹۱۴ء کی لڑائی کے زمانہ کا تھا۔ اُس زمانہ تک پٹرول صرف کوئلہ سے نکالا جاتا تھا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد سائنسدانوں نے مزید تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء میں جرمنی نے ۱½ لاکھ ٹن اور برطانیہ نے ½ ۱ لاکھ ٹن مصنوعی پٹرول طیار کیا۔

میتھین میتھین (Methane) جو ایک قسم کی گیس ہوتی ہے، اُس کو بھی پٹرول کی جگہ استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ گیس تیل کے چشموں اور کوئلہ کی کانوں میں ہوتی ہے۔ اگر سائنسداں اس

کوشش میں کامیاب ہوگئے تو مشین کی دُنیا میں سخت انقلاب ہو جائے گا۔ لیکن اس کے استعمال کے سلسلہ میں ابھی ایک بہت بڑی دقت باقی ہے اور وہ یہ کہ میتھین بہت ہی تھوڑی حرارت میں اُبل جاتی ہے۔ اس کے لئے خاص قسم کے خزانوں کی ضرورت ہے جو (Heat proof) ہوں، لیکن اس قسم کے خزانے بیحد وزنی ہوتے ہیں۔ بہر حال اگر ان دقتوں پر قابو حاصل کر لیا گیا تو ایک بیحد مفید چیز دُنیا کے ہاتھ آجائے گی۔

مصنوعی شکر عام طور پر شکر گنّے اور ایکھ سے بنائی جاتی ہے۔ لیکن لڑائی کے دنوں میں زندگی کے اور کاروبار کی طرح کاشت کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لئے قدرتاً شکر سازی کا سلسلہ بھی بڑی حد تک ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اب پتہ چلا ہے کہ لکڑی سے شکر بکثرت پیدا کی جا سکتی ہے۔ اب تک عمارت اور فرنیچر وغیرہ کے لئے جو لکڑی کاٹی جاتی تھی اُس کا بہت بڑا حصہ کاٹنے چھانٹنے میں ضایع جاتا تھا یا زیادہ سے زیادہ جلانے کے کام آتا تھا۔ لیکن اب وہ لکڑی ضایع نہیں کی جائے گی اور اُس سے شکر طیار کی جائے گی۔

مصنوعی ربڑ سائنسدانوں نے آج کل مصنوعی ربڑ بھی طیار کرنا شروع کیا ہے۔ لیکن اس کی طیاری میں تقریباً چوگنی لاگت آتی ہے مگر یہ مصنوعی ربڑ اصلی ربڑ سے زیادہ پائیدار ہوتا ہے، اس لئے اس سے معمولی روزمرہ کے استعمال کی چیزیں طیار نہیں کی جا سکتیں۔ مگر سائنسداں کوشش کر رہے ہیں کہ اس پر لاگت کم آئے۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ دو سو ٹن ربڑ ایک ہزار ایکڑ میں پیدا ہوتا ہے لیکن اتنی مقدار بہ آسانی مشین کے ذریعہ سے صرف دو گھنٹوں میں طیار کی جا سکتی ہے۔

حال ہی میں امریکہ نے ایک چیز طیار کی ہے جسے نیٹن (Nylon) کہتے ہیں۔ اس کو سائنس کا مازہ ترین شاہکار کہنا بیجا نہ ہوگا۔ نیٹن مصنوعی ریشم ہے جو اصلی ریشم سے بدرجہا بہتر ہے اور قیمت کے اعتبار سے بیحد ارزاں۔ اسی طرح سے اب کپڑے لکڑی اور شیشے سے بھی بنائے جانے لگے ہیں۔

جنگ کے دنوں میں درآمد و برآمد کا سلسلہ چونکہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، اس لئے وہ چیزیں جو ملک میں پیدا نہیں ہوتیں اُنکو مصنوعی طور پر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر اُن کا بدل ڈھونڈھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ تانبے کو لیں۔ ٹیلیفون اور ٹیلیگرام کے تار اور بجلی کے آلات کے لئے تانبے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اب جنگ کے دنوں میں جن ملکوں میں تانبے کی قلت ہوتی ہے وہاں اُس کی جگہ پر المونیم استعمال کیا جانے لگا ہے اور بعض سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ان ضرورتوں کے لئے المونیم بہتر اور ارزاں ہوتا ہے۔

ریلوے انجن کا وہ حصہ جس میں آگ رہتی ہے، اُس کو بہت عمدہ قسم کے لوہے سے بنایا جاتا ہے، لیکن آج کل اُسکو بنانے کے لئے ایک خاص قسم کا مصنوعی لوہا استعمال کیا جاتا ہے اور یہ تجربہ بھی کامیاب رہا ہے۔

بڑے بڑے کارخانوں اور گھروں وغیرہ میں تانبے کے برتن اور تانبے کی دوسری چیزیں استعمال کی جاتی تھیں، اب وہاں مصنوعی دھات کی چیزیں بہ کثرت استعمال کی جا رہی ہیں۔

جہاز سازی تجارتی جہازوں کی تعداد میں اضافہ آج برطانیہ کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سائنس اور صنعت کی مدد حاصل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ چنانچہ برطانوی بحری فوج اپنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اُن جہاز سازی کے کارخانوں کو، جو اقتصادی کساد بازاری کی وجہ سے بیکار کر دئے گئے تھے

مشینوں سے مزین کئے جا رہے ہیں۔ یعنی پہلے جہازوں کو اندرون ملک کے فولادی کارخانوں میں چھوٹے چھوٹے حصوں میں بنایا جائے گا اور بعد میں دریاؤں یا سمندر کے کنارے جہاز سازی کے احاطوں میں انھیں لاکر جوڑ دیا جائے گا۔ اس طرح جہاز کے بنانے کا کم از کم ۱/۴ کام عام جہاز سازی کے مرکزوں سے باہر ہوا کرے گا۔ یہ جہاز ایک معیار کے ہوں گے اور ہر قسم کے کام کے لئے بالکل مناسب ہوں گے۔ ہر جہاز تقریباً ۸۰۰ ٹن سامان لیجا سکیگا۔ گزشتہ جنگ عظیم میں بھی اسی طرح کثیر جہاز سازی ہوئی تھی۔ یہ جہاز اب بھی کام کرتے ہیں اور ان کی قیمت فی جہاز ۶۰۰۰۰ پونڈ ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد سے ابتک برطانیہ کو ایک خاص معیار کے کثیر جہازوں کی ساخت کے متعلق بہت کافی تجربات حاصل ہو چکے ہیں۔ چنانچہ برطانوی جہاز سازوں کو اب کسی خاص مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا ہے۔

فضائی حملہ کا مقابلہ

فضائی حملہ سے بچاؤ کی تدابیر میں بموں کی آتشزدگی کو فرو کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ برطانیہ میں اس کے لئے ایک خاص تدبیر اختیار کی گئی ہے۔ ہر ہر گھر میں آگ بجھانے والے پمپ لگا دئے گئے ہیں۔ یہ پمپ، برابر فی ہفتہ ۱۰۰۰۰ کی تعداد میں بنائے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کے دوسرے آلات بھی انھیں کارخانوں سے آئرستان، ملایا، ڈچ مشرقی جزائر ہند، برازیل، فلسطین، نیوزی لینڈ اور ہندوستان بھیجے جا رہے ہیں۔ برطانیہ کے مختلف علاقوں میں، جہاں آتشزدگی کے مقابلہ کے لئے انجن کی امداد بہت گراں ثابت ہوئی ہے، ان آلات کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے یہ آلہ دراصل ایک ہلکا لٹکن دار پمپ ہے جو بہ آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے، اور سستا ہونے کے علاوہ پٹرول کے کم صرفہ کی وجہ سے سمندر پار بہت زیادہ مقبول ہو رہا ہے۔

بھاری دبابے

برطانوی افواج کو جو کلدار اور زرہ پوش گاڑیاں دی جا رہی ہیں وہ پہلے کی بہ نسبت بہت عمدہ ہیں۔ ان گاڑیوں کی فولادی چادر زیادہ وزنی ہے، اس کے اسلحہ زیادہ طاقتور اور رفتار زیادہ تیز ہے۔ اب بجائے اوسط درجہ کی مشینوں کے، حکومت اپنی توجہ وزنی اور بھاری مشینوں پر صرف کر رہی ہے، ہلکے ٹینک اب متروک ہو چکے ہیں اور اوسط درجہ کے ٹینکوں کا تو وجود ہی نہیں رہا ہے۔ ایک ٹینک اور ایجاد کیا گیا ہے جس کی رفتار شکاری کتے کی اتنی ہے۔ اس کا کام گشت کرکے دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنا ہے۔ "پیدل دستہ کے ٹینک" بھی بہت عمدہ بننے لگے ہیں۔ ان کا کام پیدل دستوں کی مدد کرنا ہے۔

ٹیڑھی رائفل

ایک ایسی رائفل ایجاد ہوئی ہے، جس میں ایک ٹیڑھی نال لگی ہوتی ہے۔ اس کے موجد کا خیال ہے کہ اس ترکیب سے یہ رائفل خندق سے چلائی جا سکے گی اور نشانہ باز چھپا کا چھپا رہ سکے گا۔

ہوائی تارپیڈو

اسی طرح سے ہوائی تارپیڈو کے سلسلہ میں بھی ایک خاص چیز ایجاد کی گئی ہے اگر وہ عملی طور پر کامیاب ثابت ہوئی تو بہت خطرناک حربہ ثابت ہوگی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے موجد کا بیان ہے کہ یہ ہوائی تارپیڈو نہایت آسانی سے اڑ سکے گا اور ۱۰۰ میل تک کے فاصلہ تک، بذریعہ ریڈیو یا ٹیلی وژن پھینکا جا سکے گا۔

محافظ پردہ

موجدوں نے اپنی ایجادوں میں دفاع و اقدام دونوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ ایک ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے جو فضائی بمباری سے محفوظ رکھے گا۔ یہ آلہ مشتمل ہے ایک بہت بڑے چکردار "پردہ" پر جو کسی عمارت یا جہاز پر نصب کیا جا سکتا ہے۔ یہ "پردہ" اپنی گردش کی قوت سے پہلے بموں کو اپنی طرف کھینچے گا اور پھر پھینک دیگا۔ اس طرح

وہ عمارت یا جہاز جس پر یہ آلہ نصب ہوگا، بمباری سے محفوظ ہوجائے گا۔

جدید آبدوز شکن ۔ آبدوزوں کے خلاف جہاد حال ہی میں بجلی سے چلنے والے مقناطیس (Electro magnets) ایجاد ہونے کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے اس طاقتور آلہ کو جب کسی جنگی جہاز پر نصب کر دیا جائے گا تو وہ دشمن کی آبدوز کشتی کو ایک طرف کھینچ لائے گا اور پھر اسی مقناطیس کے ذریعہ سے ایک ایسی رو پیدا کی جائے گی جو کشتی کے تمام آدمیوں کو ہلاک کر دے گی۔

برطانوی بھاری بم جرمنی پر آجکل برطانوی طیارے جو بم گرا رہے ہیں، ان کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اُن کی طاقت پانچ گنی زائد ہے درانحالیکہ ان کی جسامت میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ بڑے بم بنانا کوئی مشکل چیز نہیں ہے اور جرمنوں نے تو یہ اعلان کیا ہے کہ انھوں نے ایک ایسا بم بنایا ہے جس کا وزن دو ٹن ہوگا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ بموں کا حجم یا وزن جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی کم تعداد میں انھیں لیجایا جا سکے گا۔ جنگی داؤں پیچ کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بالکل قطعی ہے کہ اگر بڑے بموں اور چھوٹے بموں کو دو جہاز علٰحدہ علٰحدہ لیجائیں اور ان بموں کے وزن بھی برابر ہوں تو چھوٹے بم زیادہ تعداد میں صحیح نشانوں پر پڑیں گے۔ اس لئے اگر چھوٹے بموں کی طاقت میں اضافہ کر دیا جائے تو چھوٹے بم نقصانات پہونچانے میں زیادہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

برطانوی وزارت فضاء، اس قسم کے بموں کی ساخت میں زبردست تحقیقات کرا چکی ہے، اور اب وہ ان بموں سے بھی زیادہ طاقتور بم بنوانے کی زبردست کوشش کر رہی ہے، لیکن ابھی تک جو بم بنے ہیں وہی اس قدر زیادہ طاقتور ہیں کہ اُنکی آزمایش کے لئے برطانیہ کے متعدد بڑے غیر آباد علاقے بھی خطرناک ثابت ہو رہے ہیں کیونکہ یہ بم اس قدر زبردست دھماکوں اور جھٹکے کے ساتھ پھٹتے ہیں کہ ان غیر آباد بڑے علاقوں کی وسعت بھی اُن کے لئے کم ثابت ہوتی ہے اور اُس کا خطرناک اثر آباد علاقوں پر بہرحال پڑتا ہے۔

یہاں پر یہ بتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ جنگ عظیم میں اتحادیوں نے ۲۲۰۰ پونڈ وزن والے بم ایجاد کر لئے تھے جو برلن پر گرائے جاتے مگر اسی وقت جرمنوں نے اعتراف شکست کر لیا۔

برطانوی ہوائی بیڑہ چند نئے قسم کے بمبار طیارے بھی استعمال کر رہا ہے۔ گو ان طیاروں کی تفصیل کا راز میں رہنا ضروری ہے، مگر اس کے باوجود یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ان طیاروں کی اُڑان اور وزن لیجانے کی اہلیتوں میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم کی ابتدا میں طیارے محض معلومات حاصل کرنے کی غرض سے استعمال ہوتے تھے۔ مگر فضائی جنگ کی ابتدا دراصل اسوقت سے ہوتی ہے جب گزشتہ جنگ عظیم میں ایک دن ایک جرمن طیارہ اُڑتا ہوا آیا اور جب وہ ایک برطانوی طیاروں کے اوپر پہونچا تو اُس نے اپنی چھرّے والی کارتوسی بندوق (Shot gum) برطانوی طیارہ پر چھڑا دی۔ گو نشانہ خطا ہوگیا مگر فضائی جنگ کی ابتدا ہو گئی۔ اس کے بعد ہی فرانسیسی طیارچیوں کو گمّوں کے بورے مہیا کئے گئے جیسے ہی یہ کسی جرمن طیارہ کو اپنی زد میں دیکھتے، فوراً ہی ان گمّوں کو ان پر گرا دیتے اور دشمن طیارہ کے پنکھے توڑ ڈالنے کی کوشش کرتے۔

فضائی رسد رسانی پٹرول یا پانی کی فضائی بہم رسانی کے لئے۔ ہوائی چھتریوں کی مدد سے یا اُن کے بغیر۔ سر ایس ایس

بھٹناگر ڈائرکٹر، سائنٹفک اور انڈسٹریل ریسرچ نے ایک ایسا برتن ایجاد کیا ہے جو گرنے کے باوجود نہیں پھٹے گا اور اشیاء بآسانی سطح ارض پر پہونچائی جا سکیں گی۔ اس برتن کو ۵۰۰ سے ۱۰۰۰ فٹ تک کی بلندی سے گرا کر کامیابی کے ساتھ آزمایا جا چکا ہے دو گیلن تک کی چیزیں رکھنے کے قابل اس برتن کو بنایا گیا ہے اور بعد ازاں جب انھیں علی پور کی آزمایش گاہ کی دوسری منزل اور نئی دہلی کی سکریٹریٹ کی عمارات سے گرایا گیا تب بھی زمین کے تصادم سے اُسے کوئی ضرر نہیں پہونچا۔ فوجی صدر مقامات میں ان برتنوں کو نیچی اُڑان والے طیاروں سے گرا کر آزمایا جا رہا ہے یہ برتن پٹرول و تیل کے اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ اس برتن کو اُس کے سبک وزن اور مضبوطی کی وجہ سے حالت جنگ اور حالت امن دونوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

نیا طیارہ بردار جہاز

جرمن جہاز "بسمارک" کے خلاف شاندار فتح کے سلسلہ میں سب سے پہلی مرتبہ "وکٹوریس" نامی طیارہ بردار جہاز کا تذکرہ لوگوں کی زبان پر آیا تھا۔ یہ جہاز "السٹریس" نامی جنگی جہاز کا ساتھی ہے، اس کا وزن ۲۳۰۰۰ ٹن ہے، اور اسے ٹائن کے جہازی کارخانہ میں ویکرس آرمسٹرانگ کے کارخانہ نے بنایا تھا۔ یہ جہاز ۱۹۴۰ء میں بنکر طیار ہونے والا تھا مگر وہ اس سے پہلے ہی ۱۹۳۷ء کی مئی میں سمندر میں داخل ہو گیا۔ اس جہاز کی رفتار ۳۰ ناٹ سے زائد ہے۔ جنگ کے زمانہ میں اُن طیاروں کی تعداد راز میں رکھی جاتی ہے جو طیارہ بردار جہازوں پر لاد کر لیجاتے ہیں مگر "آرک رائل" (Ark Royal) طیارہ بردار جہاز وکٹوریس سے وزن میں ۱۰۰۰ ٹن کم زمانۂ امن میں ۶۰ طیارے لیجاتا تھا۔ اُن دو مزید طیارہ بردار جہازوں کو ملا کر جو برطانیہ میں بن رہے ہیں، اب برطانوی بحری بیڑہ کے پاس ۱۰ طیارہ بردار جہاز ہو جائیں گے۔

گیس پروف کپڑا

مسٹر لوکناتھ باجپئی پہلے ہندوستانی ہیں جنھوں نے زہریلی گیسوں سے بچنے کی خاطر ایک گیس پروف کپڑا ایجاد کیا ہے۔ مسٹر باجپئی ہارکورٹ بٹلر ٹیکنالوجیکل انسٹیٹیوٹ کانپور میں کام کرتے تھے اور انھیں پانی سے محفوظ رہنے والے کپڑوں کے لئے خاص اقسام کے وارنش اور سیال اشیاء تیار کرنے سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ پھر واٹر پروفنگ ٹریننگ اسکول بلند شہر میں انسپکٹر کی حیثیت سے آپ نے متعدد نوجوانوں کو واٹر پروف ریشوں کے بنانے کی تعلیم دی۔ گزشتہ سال آپ نے اسی قسم کے گیس پروف ریشے بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ فوج نے پہلے ۲۵ ہزار گز کپڑا لیکر اس کی آزمایش کی اور پھر ایک لاکھ کپڑے کا آرڈر دیا۔

نگار کے پچھلے پرچے

۱۹۲۶ء: جنوری ۸ر۔ ۱۹۲۷ء: اگست ۸ر ..... ۱۹۳۰ء: مئی ۱۲ر۔ ۱۹۳۱ء: جولائی تا دسمبر ۸ر فی پرچہ۔ ۱۹۳۲ء: جنوری ۱۲ر، فروری، مارچ، مئی، جون، جولائی، ستمبر، نومبر، ۸ر فی پرچہ، دسمبر ۴ر۔ ۱۹۳۳ء: فروری ۸ر ۱۹۳۴ء: فروری، مارچ، مئی، جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۴ر فی پرچہ۔ ۱۹۳۶ء: دسمبر ۱۲ر۔ ۱۹۳۷ء: فروری، مارچ ۱۲ر فی پرچہ۔ اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست ۸ر فی پرچہ، ستمبر، اکتوبر، دسمبر ۱۲ر فی پرچہ۔ ۱۹۳۸ء: فروری، اپریل تا دسمبر ۴ر فی پرچہ ۱۹۳۹ء: فروری تا جولائی ۴ر فی پرچہ۔ اکتوبر، نومبر ۸ر فی پرچہ۔ ۱۹۴۰ء: فروری ۴ر، مارچ ۶ر، اپریل ۴ر، مئی ۶ر، جون ۴ر، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۴ر فی پرچہ۔

مینجر نگار لکھنؤ

بحری طاقت

کسی قوم کی بحری فوجی طاقت دو حصوں میں منقسم ہوتی ہے۔ ایک جنگی ضروریات کے لئے اور دوسری بحری تجارت کی حفاظت کے لئے ہر چند وہ اقوام جو ہمسایہ ممالک سے امن و صلح کے تعلقات رکھنا چاہتی ہیں، ان کی بحری طاقت کا تعلق تجارتی جہازوں سے نہ ہونا چاہئے۔ لیکن ایک ملک کی بحری طاقت کا تعلق بہت کچھ اُس کی جغرافی پوزیشن اور مقبوضات کے درمیانی فاصلوں سے ہے۔ اسی لئے اگر برطانوی سلطنت اپنی دیرینہ روایات قایم رکھنے کے لئے سب سے بڑی بحری فوج نہ رکھتی تب بھی اسے جغرافی ضروریات کے مدنظر ایسا ہی کرنا پڑتا۔

برطانوی سلطنت کی وسعت کو سمجھنے کے لئے نقشۂ عالم پر ایک نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ جبرالٹر، مالٹا، سوئیز، عدن، کولمبو، سنگاپور، ہانگ کانگ اور سڈنی محض چند مقامات ہیں مگر ان سے برطانوی سلطنت کی وسعت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بحری راستوں پر آزادی کے ساتھ تجارت ہونے کی ضرورت ہے تو ان راستوں کی حفاظت کے لئے بحری طاقت بھی یقیناً ضروری ہے۔ اندازہ کیجئے کہ لورپول (برطانوی بندرگاہ) سے مشرقی کناڈا کے بندرگاہوں کا فاصلہ تقریباً ۳۰۰۰ میل ہے۔ وینکوور (شمالی امریکہ کے مغربی حصہ کا بندرگاہ) سے براہ بحرالکاہل، سڈنی تک کا فاصلہ تقریباً ۶۰۰۰ میل ہے۔ لندن سے سڈنی کا فاصلہ ۱۲۰۰۰ میل ہے۔ لندن سے ولنگٹن (دارالسلطنت نیوزی لینڈ) کا فاصلہ براہ سوئیز ۱۲۶۰۰ میل اور براہ پناما ۱۳۰۰۰ میل ہے۔ کولمبو سے جزائر ماریشس کا فاصلہ ۳۰۰۰ میل ہے اور ماریشس سے گوڈیوپ تک ۲۵۰۰ میل ہے۔ راس آمید سے ریڈی لینڈ تک کا فاصلہ ۶۰۰۰ میل ہے۔ کولمبو سے رنگون تک کا فاصلہ ۱۳۰۰ میل ہے۔ زمانۂ جنگ میں برطانوی بحری طاقت کے ذمہ کتنا اہم کام ہوتا ہے، وہ ان فاصلوں ہی سے ظاہر ہے۔ نہ صرف یہ کہ دشمن کو اس کے بندرگاہوں میں محصور رکھنا اور برطانیہ کے اردگرد کے تنگ سمندروں کی حفاظت کرنا ہی اس کا کام ہے۔ بلکہ ان طول و دراز بحری راستوں کو اُن جدید بحری قزاقوں سے محفوظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے جو تیل سے چلنے والے انجنوں، طیاروں، لاسلکی اور تمام آلات حرب آراستہ ہوتے ہیں اس لئے برطانوی بحری فوج کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ اور ہر صورت میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے طیار رہے۔

آغاز جنگ کے وقت برطانوی تجارتی جہازوں کی مجموعی تعداد ۹۵۰۰ اور مجموعی وزن ۲۱،۰۰۰،۰۰۰ ٹن تھا۔ یہ جہاز دنیا کے ہر حصہ میں پھیلے ہوتے ہیں اور دشمن ہر وقت، ہر جگہ اور ہر صورت میں ان پر یکدم حملہ کرسکتا ہے۔ لیکن ان کی حفاظت کس طرح ہوتی ہے، اسے بھی سمجھ لیجئے۔

ظاہر ہے کہ بحری بیڑہ کی موجودہ حالت کے متعلق کچھ نہیں بتلایا جاسکتا مگر ۱۹۳۹ء کے ابتدائی اعداد و شمار کی جانچ کرنا اور اس وقت کی خاص بحری طاقتوں کے بحری بیڑوں کا مقابلہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ خاص بحری طاقتیں یہ ہیں:-

برطانیہ، ریاستہائے متحدہ امریکہ، جاپان، فرانس، اطالیہ، روس اور جرمنی۔

تمام جہازوں میں جنگی جہازوں (Battle Ships) کا نام سب سے پہلے آتا ہے اور ۱۹۳۹ء کی ابتدا میں برطانیہ کے پاس بڑے بڑے جنگی جہاز پندرہ تھے۔ امریکہ کے پاس ۱۵، جاپان کے پاس ۹، فرانس کے پاس ۵، اطالیہ کے پاس ۴، روس کے پاس ۴، اور جرمنی کے پاس ایک نہیں۔ برطانیہ کے ان پندرہ جنگی جہازوں میں سے پانچ "ملکۂ الزبتھ" (Queen Elizabeth) کی قسم کے تھے اور ۵ "رائل ساورن" (Royal Sovereign) کی قسم کے — جو بلاشبہ اولیت اور عظمت کے سرتاج ہیں۔ ان جہازوں میں سے متعدد جہاز آغاز جنگ کے وقت یا تو از سر نو تعمیر کئے جا چکے تھے یا تعمیر ہونے والے تھے۔ اس کے علاوہ "شاہ جارج پنجم" کی قسم کے پانچ جنگی جہاز بھی زیر تعمیر تھے جن کا وزن فی جہاز ۳۵۰۰۰ ٹن تھا اور ۱۴ انچ دہانے والی توپیں رکھتے تھے۔ دو جہاز "لائن" (Lion) قسم کے تھے جن کا وزن فی جہاز ۴۰۰۰۰ ٹن تھا اور ۱۶ انچ دہانے کی توپیں ان میں نصب تھیں۔ یہ سات جہاز ۳۳۹۰۰ ٹن وزن رکھنے والے نیلس (Nelson) قسم کے دو جنگی جہازوں کی تکمیل کے بعد، تمام جہازوں سے زیادہ طاقتور ہیں۔ برطانوی بحری فوج کی طرح ۱۹۳۹ء کی ابتدا میں امریکہ کی بحری قوت پرانے جہازوں پر مشتمل تھی۔ چنانچہ ایک جنگی جہاز آرکنساس (Arkansas) ۱۹۱۲ء میں بنا تھا اور جدید ترین جہاز "ویسٹ ورجنیا" (West Virginia) کی قسم کا، ۱۹۲۱-۲۳ء میں طیار ہوا تھا۔ لیکن ان جہازوں کو جدید آلات سے آراستہ کر لیا گیا۔

جاپان نے اپنے پرانے حربی جہازوں کو جن میں سے دو ۱۹۱۳ء میں طیار ہوئے تھے، جدید ضروریات سے آراستہ کر لیا ہے ان کے انجن و بوائلر پوری طرح سے از سر نو طیار کئے گئے ہیں اور گھومنے والی برجیوں کی توپوں کو بھی اب زیادہ اونچا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ طیارہ شکن اور زیریں آب دفاعی انتظامات میں بھی بہت ترقی ہو گئی ہے۔

اطالیہ اور سوویٹ یونین میں سے ہر ایک کے پاس چار چار حربی جہاز ہیں اور یہاں بھی پرانے جہازوں کو پوری طرح سے جدید بنا لیا گیا ہے۔ ۱۹۳۹ء کی ابتدا میں جرمنی کے پاس، کوئی حربی جہاز سمندر میں داخل ہونے کے لئے نہیں تھا گو وہ اس قسم کے جہاز طیار کر رہا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں اپنی سرگرم بحری فوج سے نہتا کر دئے جانے کے بعد، جرمنی اپنے بحری مسئلہ کے مستقبل کے متعلق بہت زیادہ متذبذب تھا۔ مگر ہٹلر کے برسر اقتدار ہونے کے ساتھ ہی جرمنی میں اس مسئلہ پر شدید قسم کی گرما گرمی پیدا ہو گئی۔ بحری فوج کی تعمیر میں ۱۹۱۸ء کے بعد جرمنی نے جو سرگرمی دکھلائی وہ تاریخ کا بہت اہم باب ہے۔ جرمنی نے اپنی بحری فوج "ڈائش لینڈ" قسم کے چھوٹے جہازوں (Pocket Battleships) کو بنا کر شروع کی اور "گراف اسپی" و جہاز "بسمارک" کی غرقابی سے قبل جرمنی کے پاس اس قسم کے تین جہاز تھے گو اب اس قسم کا صرف ایک ہی جہاز رہ گیا ہے۔ ان جہازوں کو "زرہ پوش جہازوں" (Armoured Ships) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان جہازوں کے خاکہ بنانے والوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ان زرہ پوش یا "جیبی" حربی جہازوں کی ساخت و ترکیب کے بعد ایسے جہازوں کے مالک ہو جائیں گے جن کے دائرۂ عمل کے مقابل دنیا کی کوئی بحری فوج ایسے جہاز نہیں پیش کر سکے گی، ان جہازوں کی ترکیب یہ ہے کہ ان میں "ڈیزل (Diesels) انجنوں کا استعمال کیا گیا جو فی گھنٹہ ایک گھوڑے کی طاقت پیدا کرنے کے لئے ½ پونڈ تیل سے بھی کم خرچ کرتے ہیں درانحالیکہ بھاپ سے چلنے والے بہترین جہازوں کے بوائلروں کے لئے ¾ پونڈ تیل درکار ہوتا ہے۔ ان جہازوں کی رفتار بھی تمام تیز رفتار کشتی

جہازوں کی رفتار کے برابر ہے۔ ان جہازوں کے اسلحہ جات بھی ہر اُس جہاز کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہیں جو خالص "گشتی جہاز" کی قسم کا ہو۔ یہ جہاز ۱۰۰۰۰ میل کے فاصلہ تک سرگرم عمل رہ سکتے ہیں اور ۱۲۰۰۰ ٹن وزن کا ایندھن بھی یہ جہاز اپنے ساتھ لیجا سکتے ہیں ان کی طاقت ۱۵۰۰۰ گھوڑوں کی ہے اور ۲۶ ناٹ فی گھنٹہ کی رفتار رکھتے ہیں۔ ان جہازوں کا اصلی وزن ۱۰۰۰۰ ٹن ہوتا ہے یہ جہاز لارڈ فشر (Fisher) نے ایجاد کئے تھے اور ان کا مقصود یہ تھا کہ جنگی جہازوں کی مار اور گشتی جہازوں کی رفتار ایک ہی جہاز میں پیدا کر دیجائے۔ یہ خیال معرکۂ فاک لینڈ (Falkland) میں صحیح بھی ثابت ہوا جبکہ دو گشتی جہاز (Battle Cruisers) ایک دم سے سواحل انگلستان سے جھپٹ کر نکلے اور پورے جرمن بحری جہازوں کے دستہ کو تباہ کر کے چلے گئے۔ مگر کچھ عرصہ سے خالص جنگی جہازوں کی رفتار میں اضافہ ہو جانے کے باعث اس قسم کے جہازوں میں کچھ تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ دراصل یہ تمام باتیں علامت ہیں اس بات کی کہ جنگی جہازوں، گشتی جہازوں اور زرہ پوش جہازوں کی خصوصیات کو ایک ہی جہاز میں سمو کر رکھدیا جائے۔

۱۹۳۹ء میں جنگ کے آغاز کے وقت برطانیہ کے پاس تین گشتی جہاز، ہوڈ (Hood)۔ رینا ؤن (Renown) اور ریپلس (Repulse) تھے۔ فرانس کے پاس اس قسم کے دو جہاز، ڈنکرک (Dunkerque) اور اسٹراسبورگ (Strasbourg) تھے۔ لیکن برطانیہ کو دراصل اس قسم کے جہازوں کی بھی ضرورت ہے جنکی رفتار تیز ہو اور مار زبردست اور جنھیں (Armoured Battle Cruisers) کہہ سکیں۔ ان جہازوں سے برطانوی بحری راستوں کو بھی آزاد رکھا جا سکتا ہے اور دشمن کے جہازوں کو بھی محصور کیا جا سکتا ہے۔ جرمنی کے پاس دو بہت زیادہ مسلح جہاز تھے جن کی رفتار گشتی جہازوں کے برابر تھی، مگر بسمارک کی غرقابی کے بعد اب صرف ایک جہاز رہگیا ہے۔

سمندروں پر قابض رہنے کے واسطے "طیارہ بردار" (Air Craft Carrier Warships) جہاز بھی ہر بحری فوج کے لئے بہت ضروری ہیں۔ دیکھ بھال، نگرانی، بحری حملہ اور قزاق جہازوں کی جستجو، آبدوز اور دوسرے بربادکن جہازوں سے ہوشیار رہنے اور انھیں ڈھونڈھنے کے لئے طیاروں کا استعمال موجودہ جنگ میں بہت مکمل حد تک پہونچ گیا ہے چنانچہ یہ واقعہ کہ برطانوی طیارہ بردار جہاز "آرک رائل" (Ark Royal) جرمنی کے مشہور جہاز "گراف اسپی" کی غرقابی سے کچھ ہی دیر پہلے افریقہ کے جنوبی بندرگاہ کیپ ٹاؤن میں دیکھا گیا اور پھر گراف اسپی کو ختم کرنے کے معرکہ میں ہزاروں میل دور اپنے طیاروں کو استعمال کرانے کے لئے بھی موثر ثابت ہو سکا، اس قسم کے جہازوں کی افادیت کو ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ برطانوی دولت مشترکہ، ریاستہائے متحدۂ امریکہ اور جاپان میں سے ہر ایک کے پاس چھ چھ قسم کے جہاز ہیں۔ فرانس اور پنچایتی روس میں سے ہر ایک کے پاس ایسے ایک ایک جہاز ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک طیارہ بردار جہاز "گراف زیپلن" (Graf Zeppelin) اب طیار ہو کر جرمن بحری بیڑہ میں شامل ہو گیا ہے۔ دوم درجہ کے طیارہ بردار جہاز برطانوی دولت مشترکہ کے پاس ایک، جاپان کے پاس چار اور فرانس کے پاس ایک ہیں۔ اول درجہ کے طیارہ بردار جہازوں میں طیاروں کے اُترنے کا عرشہ بھی ہوتا ہے اور دوئم درجہ کے طیارہ بردار جہاز طیارہ کو گوپھن کے ذریعہ سے ایک طرف پھینکتے ہیں اور انھیں گوپھنوں کے ذریعہ سے انھیں سمندروں سے اُٹھا کر اپنے اوپر رکھ لیتے ہیں۔ چونکہ ان جہازوں پر فضائی اُڑان کے عرشے نہیں ہوتے لہذا اُن کی جسامت بھی کچھ کم ہوتی ہے۔ جاپان نے اپنے متعدد روغن بردار اور

ٹینکوں والے جہازوں کی ساخت میں تبدیلی کرکے انھیں طیارہ بردار جہاز بنالیا ہے جنوبی اور شمالی بحراوقیانوس کے بری طیاروں" کے مستقروں کے لئے جرمنی نے جو جہاز بنائے ہیں وہ بھی اسی قسم کے ہیں۔

گشتی جہازوں کو سرسری طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ گشتی جہاز جو ۸ انچ والی توپیں رکھتے ہیں اور دوسرے وہ جو ۶ انچ ہانے والی یا اس سے بھی تنگ دہانے کی توپیں رکھتے ہیں۔ برطانیہ کے گشتی جہاز دن کی تعداد برطانوی ضروریات کے عین مطابق ہے۔ ۸ انچ دہانے کی توپوں والے گشتی جہاز برطانیہ عظمیٰ کے پاس ۵۱، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے پاس ۱۸۔ جاپان کے پاس ۱۲۔ فرانس کے پاس ۷۔ اطالیہ کے پاس ۷۔ روس کے پاس ۳۔ اور جرمنی کے پاس ۲۔ ہیں۔ چھوٹے گشتی جہازوں کی تعداد یہ ہے:۔ برطانیہ کے پاس ۴۳۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے پاس ۱۷۔ جاپان کے پاس ۲۷ فرانس کے پاس ۱۲۔

برطانیہ کے تباہ کن (Destroyer) جہازوں کی تعداد بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ تعداد دس ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے پاس ۲۱۵ جاپان کے پاس ۱۲۴۔ فرانس کے پاس ۷۲۔ اطالیہ کے پاس ۲۰۳۔ روس کے پاس ۱۴۹۔ اور جرمنی کے پاس ۶۴ ہیں امریکہ کے تباہ کن جہازوں کے بیڑہ میں بہت بڑی تعداد ان جہازوں کی ہے۔ جنکا وزن فی جہاز ۱۱۰۰ سو ٹن ہے اور جو ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۱ء کے درمیان طیار کئے گئے تھے، مگر اس کے جدید ترین جہاز ۱۶۲۰ ٹن وزن والے ہیں، اُن کی رفتار ۳۷ ناٹ فی گھنٹہ ہے ان میں ۵۵ انچ دہانے والی توپیں ہیں اور آٹھ ۲۱۔ انچ دہانے والے تارپیڈو پھینکنے کے آلے ہیں۔

جاپانی تباہ کن جہازوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں زبردست اور بھاری اسلحہ لگے ہوتے ہیں۔ جاپانیوں کے جدید ترین تباہ کن جہازوں میں ۵۶ انچ دہانے والی توپیں اور آٹھ ۲۴۔ انچ دہانے والے تارپیڈو مارنے کے آلات ہوتے ہیں۔ درانحالیکہ جاپانی تباہ کن جہازوں کا وزن ۱۵۰۰ ٹن ہوتا ہے۔ مگر سخت و سنگین حادثات کی وجہ سے ان تباہ کن جہازوں کی نظر سے گر گئی ہے۔

آبدوزوں کا مسئلہ بہت ہی پیچیدہ ہے۔ عصر حاضر کی بحری جنگ میں آبدوز بہت ہی مؤثر حربہ ہے۔ جرمنی اپنی آبدوزوں کو بالعموم بارودی سرنگیں بچھانے اور تجارتی جہازوں پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے اختتام پر جرمنی کو آبدوزوں سے محروم کردیا گیا تھا مگر اس نے پھر طیار کرلیں۔ کہا جاتا ہے کہ جرمن آبدوزوں کے بیڑہ میں سال ۱۹۳۹ء کی ابتدا میں ۶۵ بڑی اور ۲۶ آبدوزیں تھیں۔ برطانوی آبدوزوں کی تعداد ۵۷ تھی امریکہ کے پاس ۸۷ جاپان کے پاس ۵۹ فرانس کے پاس ۷۸۔ اطالیہ کے پاس ۱۰۴۔ اور روس کے پاس ۱۵۰۔ کہا جاتا ہے کہ اطالیہ کے آبدوزوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسکا ۴۰ فیصدی سے زاید خرچ جنوری ۱۹۳۵ء سے بننا شروع ہوا ہے۔ لیکن ایک دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ اس لحاظ سے اس دنیا کی عظیم ترین طاقت ہے۔ آبدوزوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں سب سے بڑی وہ جس کا وزن پانی میں ڈوبنے کے بھی ۲۰۰۰ ٹن رہتا ہے (پانی میں ڈوبنے سے ہر شے کا وزن کم ہوجاتا ہے پانی کا تارپیڈو مارنیوالے ۸ خول ہوتے ہیں اور ۱۰ انچ دہانے کی توپیں ہوتی ہیں۔ روسی آبدوزوں کے متعلق کو صحیح معلومات حاصل نہیں لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس ۲۰۰۰ ٹن وزن سے بھی زاید وزن کی آبدوزیں ہوں تو کوئی تعجب نہیں مشہور ہے کہ روس کی آبدوزوں کے بیڑہ کا بڑا حصہ بالٹک میں ہے مگر ایک افواہ یہ بھی ہے کہ ان کی کافی تعداد روس کے مشرقی بندرگاہ ولادی واسٹک میں ہے

روس کا بحری مسئلہ بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ اُس کے بیڑہ کو تین مختلف سمندروں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یعنی بحیرۂ بالٹک بحیرۂ اسود اور مشرق بعید۔ اس میں شک نہیں کہ روس نے بڑی بحری طاقت بننے کی کبھی خواہش نہیں کی، لیکن اطالیہ نے کافی ترقی کی ہے۔ جزیرہ ہونے کی وجہ سے جاپان میں اچھے ملاح پیدا ہوتے ہیں۔ مگر جاپان کی بحری فوج کی تشکیل میں برطانوی انجنیروں نے جو خدمات انجام دی ہیں انھیں ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے۔ ۱۸-۱۹۱۴ء سے پہلے کی تمام جاپانی بحری قوت برطانوی جہاز سازی کے کارخانوں میں طیار کی گئی تھی۔

جہاں تک کہ ریاستہائے متحدۂ امریکہ کا تعلق ہے، ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس کو بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس کے دونوں جگہ حفاظت اور پاسبانی کرنا ہوتی ہے۔ اس مشکل کو نہر پناما نے حل کر دیا ہے، علاوہ اس کے حال ہی میں امریکہ نے اپنے "دو بحری" بیڑہ کی بھی عظیم طیاری اور ساخت شروع کر دی ہے جو بہت سرگرمی سے جاری ہے۔

شکست سے قبل فرانس کی بحری فوج موجودہ لڑائی کے بحری نقشۂ جنگ میں بہت بڑی خدمت انجام دیتی۔ مگر حالات نے ایسا نہ ہونے دیا۔ اُس کی بحری فوج، جنگی جہازوں کے علاوہ، گشتی اور تباہ کن جہازوں اور امدادی جہازوں کی ایک بڑی تعداد پر مشتمل تھی جو مشرق میں فرانسیسی نوآبادیوں کے چوطرفہ اور آس پاس کے پانیوں کی حفاظت میں استعمال ہوتی تھی۔

ہالینڈ کی بحری قوت اتنی ہے کہ وہ اپنی غیر جانبداری کی حفاظت کر سکے اور اس کے بیڑہ کے بہترین جہاز مشرقی جزائر ہند میں رہتے ہیں، ستمبر ۳۹ء سے قبل، اہالیان ہالینڈ نے بین الاقوامی حالات پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا اور وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ گشتی جہازوں، تباہ کن جہازوں، آبدوزوں اور سرنگ بچھانے والی کشتیوں پر ہالینڈ کا اُصول بنیادی طور پر بدل جانا چاہئے اور اس نے یوروپ سے اپنے جہازوں کو ہٹا کر بڑی عقلمندی کی۔ ہالینڈ کے پاس تجارتی جہازوں کا مجموعی وزن ۳،۰۰،۰۰۰ ٹن ہے جس کی تعداد ۱۵۰۰ ہے۔

ناروے کے تجارتی بحری جہازوں کی تعداد ۲۰۰۰ سے کچھ زاید ہے اور مجموعی وزن تقریباً ۵،۰۰،۰۰۰ ٹن ہے اور جسوقت جرمنی نے اس پر حملہ کیا تو اس کی بحری فوج دنیا کی مختصر ترین بحری فوجوں میں تھی۔ ناروے کو صرف ساحلی حفاظت کے جہازوں سے غرض تھی۔ سوئیڈن، ڈنمارک اور فن لینڈ کا بھی یہی حال ہے۔ جنوبی امریکہ کی بحری طاقت کو ناقابل لحاظ نہیں کہا جا سکتا مگر وہ بھی صرف اپنی حفاظت تک محدود ہے۔ وسط امریکہ کی بحری طاقتوں کا مطالعہ اس لحاظ سے دلچسپ ہے۔

جنگ کے زمانہ میں تمام قومیں اپنے تجارتی جہازوں کو امدادی جہازوں میں تبدیل کر سکتی ہیں۔ چنانچہ برطانیہ کے پاس نہ صرف تیز رفتار سفری جہازوں ہی کی فراوانی ہے بلکہ اس کا شکاری بیڑہ بھی بڑا زبردست ہے، جس نے جرمنی کو اسوقت تک کامیاب ہونے نہیں دیا۔

تذکرۂ معرکۂ سخن

اپنے رنگ کا بالکل پہلا تذکرہ، جس میں بتایا گیا ہے کہ بڑے بڑے اساتذہ کے کلام پر کیا کیا اعتراض کئے اور یہ کہ ان کا کوئی جواب ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یہ تذکرہ انتہائی کاوش کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور فن شعر کے متعلق بے بہا معلومات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت علاوہ محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ)

منیجر نگار۔ لکھنؤ

مسولینی کیوں ناکام رہا

یہ ایک سوال ہے جو اس وقت ہر شخص کی زبان سے سننے میں آرہا ہے اور ہر چند اس کا صحیح جواب تو جنگ ختم ہونے کے بعد ہی معلوم ہوگا، تاہم وہ لوگ جو اندرونی حالات سے بیخبر نہیں ہیں، کچھ نہ کچھ ضرور اس کا سبب سمجھ سکتے ہیں۔

پچھلی لڑائی کے بعد اٹلی کے لوگوں کو یہ عام شکایت پیدا ہوگئی تھی کہ جنگ سے انھیں کوئی فایدہ نہیں ہوا اور جو فایدہ ہونا چاہیے تھا اسے دوسروں نے چھین لیا۔ مسولینی اسی خیال کی جماعت کا سربرآوردہ شخص تھا اور یہی چیز اسکی ترقی کا باعث ہوئی اطالیہ ایک زمانہ سے دُنیا کے اور رقبوں پر بھی قابض ہوکر اپنی مملکت کو وسیع کرنا چاہتا تھا لیکن پچھلی لڑائی کے بعد جب شمالی اور جنوبی امریکہ نے بھی اطالوی باشندوں کے لئے اپنے دروازے بند کردئے تو اس حقیقت کی تلخی کو زیادہ محسوس کیا جانے لگا اور وہاں ملوکیت کی بنیادیں مستحکم ہونے لگیں۔

مسولینی نے اس رنگ کو دیکھ کر ایک مضمون لکھا جس میں اس نے ملوکیت کو ملک کی اقتصادی، قومی اور روحانی ترقی کی بنیاد قرار دیتے ہوئے جرمنی کے وحشیانہ نظام کی مخالفت کی تھی۔

۱۹۱۹ء میں اٹلی کی حالت بہت خراب تھی۔ لڑائی کے اثرات مابعد نے قوم کی ہمت پست کردی تھی اور روس کا انقلاب وہاں کے صنعتی و زراعتی طبقہ کو کافی متاثر کرچکا تھا۔ ہر جگہ بدامنی کے آثار نظر آرہے تھے، کاشتکار زمینداروں سے، مزدور سرمایہ داروں سے برسرپیکار تھے اور ملک کا نظم ونسق بالکل درہم برہم ہوگیا تھا۔

یہ تھا اٹلی کی بدنظمی اور ابتری کا زمانہ جب مسولینی اسٹیج پر نمودار ہوا۔ اس نے سب سے پہلے ان لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کیں جو کسی وقت ملازم رہ چکے تھے اور اسی کے ساتھ قوم پرست جماعت کے "مطالبۂ توسیع مملکت" کا ساتھ دیکر اس کو بھی اپنی طرف مخاطب کیا، اس نے طلبہ کے نوجوان طبقہ کو بھی اپنی خطابت سے رام کیا اور سوشلزم کی مخالفت کرکے سرمایہ داروں و کارخانہ داروں کو بھی اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

جب وہ اس حد تک کامیاب ہوگیا اور سرمایہ دار طبقہ سے مالی مدد بھی اسے ملنے لگی تو اس نے کمیونسٹ جماعت کے لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کیا، ہر چند اس سلسلہ میں بارہا لڑائی بھی ہوئی، لیکن چونکہ پولیس بھی کمیونسٹ جماعت کی مخالف تھی، اس لئے مسولینی کو اپنی اسکیم میں کافی کامیابی حاصل ہوئی اور آیندہ انتخاب میں فاسسٹ ممبروں کی بڑی تعداد پارلیمنٹ میں آگئی۔

اس کے بعد مسولینی نے اپنی تقریروں سے اپنا اثر قایم کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں اس نے فیصلہ کرلیا کہ اب حکومت پر قابض ہونے کا وقت آگیا ہے اور اس نے اپنے چار نہایت وفادار ساتھیوں کو چند ہزار سپاہیوں کے ساتھ روم پر دھاوا بول دینے پر مامور کیا۔ روم کے وزیر اعظم فیکٹا (Facta) نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کا مقابلہ کرے، لیکن

بادشاہ نے دخل دیکر اس خانہ جنگی کو روک دیا اور ۲۸ اکتوبر کو مسولینی کے پاس بمقام میلان پیام بھیجا کہ وہ انتظام اپنے ہاتھ میں لے۔

اسنے برسر اقتدار ہوکر سب سے پہلے کلیسا کو اپنا طرفدار بنایا اور کیتھولک مسلک کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرکے تمام دیہاتی آبادی کی ہمدردیاں حاصل کرلیں اسی کے ساتھ اس نے پبلک سے یہ وعدہ بھی کر وہ ایک مضبوط حکومت قایم کرکے ملک سے بدامنی و بدنظمی کو دور کردیگا اور اس میں شک نہیں کہ یہ وعدہ اس نے پورا کرکے دکھا دیا لیکن اسکے علاوہ اور جو وعدے اُسنے کئے ان میں کوئی السا نہ تھا جو واقعی قومی نقطۂ نظر سے اٹلی کے لئے مفید ہو۔

اسنے وعدہ کیا کہ وہ اٹلی کا اقتصادی انتظام درست کرکے اس کی پیٹھ سے اقتصادی بوجھ کو ہلکا کردے گا، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ ملک میں عدل و انصاف قایم کرے گا، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرموں کو حق صفائی سے بھی محروم کردیا گیا اور معمولی جرائم میں سخت سزائیں دیجانے لگیں۔

مسولینی نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ اٹلی کو زبردست قوت بنادے گا۔ لیکن اس قوت کا مظاہرہ حبشہ اور البانیا ایسے بدست و پا ملکوں میں کیا گیا اور جب یونان کے مقابلہ میں اس کی آزمایش کا موقعہ آیا تو اس قوت کی حقیقت ساری دُنیا پر واضح ہوگئی۔

مسولینی اپنی خارجی پالیسی پر بہت زور دیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کرے گا اور صرف ٹھوس واقعات پر اس کی بنیاد قائم کرکے اٹلی کی بین الاقوامی پوزیشن کو مضبوط بنائے گا لیکن اس کی خارجی پالیسی اور زیادہ ناکام ثابت ہوئی۔ پچھلے ۵۰ سال سے اٹلی کی پالیسی یہ تھی کہ وہ مشرق ادنیٰ میں اقتصادی ثرات پیدا کرے اور مسولینی نے بھی اس پالیسی کو کامیاب بنانا چاہا۔ لیکن بلقان کی ریاستوں کو جو بے اعتمادی اٹلی کی طرف سے پائی جاتی تھی وہ بدستور قایم رہی اور یونان۔ بلغاریہ، رومانیہ اور یوگوسلاویہ سے جو معاہدے دوستی و اتحاد کے اس نے کئے تھے وہ بالکل بے معنی ثابت ہوئے ترکی پہلے بھی داؤں میں نہ آیا تھا اور اب بھی نہ آیا اور عرب ریاستیں دل ہی دل میں ہنستی رہیں کہ اٹلی جو عربوں کا پُرانا دشمن ہے آج انکی محبت و حمایت کا مدعی نظر آتا ہے۔

مسولینی کی خارجی پالیسی کا ایک زبردست پہلو یہ بھی تھا کہ یوروپ کی حکومتوں میں "توازنِ قوت" قایم رہے، کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اٹلی کی چائے وقوع ایسی ہے کہ ہر وہ ملک جو قوی ہوجائے گا بحر روم میں اُس پر ضرور دباؤ ڈالے گا۔ یعنی اگر ایک طرف وہ فرانس کو زیادہ قوی نہیں دیکھنا چاہتا تھا تو دوسری طرف جرمنی کی قوت کو بھی بڑھتے ہوئے دیکھنا پسند نہ کرسکتا تھا اور اسی لئے وہ چاہتا تھا کہ ایک طرف دریائے ڈینوب کی طرف اس کی پوزیشن محفوظ ہوجائے اور دوسری طرف آسٹریا، ہنگری پر بھی جرمنی کا اقتدار قائم نہ ہو۔

اب سے پانچ چھ سال قبل یہ تھی خارجہ پالیسی مسولینی کی اور اسی لئے جب (آسٹریلین چانسلر) ڈولفس کے قتل ہونے کے بعد ہٹلر نے آسٹریا کو جرمنی میں شامل کرنا چاہا تو مسولینی نے اس کی مخالفت کی اور ہٹلر اس ارادہ سے باز رہا۔

مسولینی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اٹلی کی کوئی نئی پالیسی مقرر نہ کرے گا، بلکہ قدیم پالیسی پر کاربند رہے گا لیکن ۱۹۳۵ء میں وہ اس وعدہ پر قائم نہ رہ سکا اور ایک طرف اس نے مجلس اقوام سے علحدہ ہوکر حبشہ پر حملہ کردیا اور دوسری طرف برطانیہ

سے تعلقات خراب کر لئے جو برابر تین چوتھائی صدی سے دوستانہ چلے آرہے تھے۔

اس نے خیال کیا کہ برطانیہ اسوقت کمزور پڑ رہا ہے اور اس کی کمزوری سے فایدہ اُٹھا کر حبشہ کو بھی لے لینا چاہئے اور اپنی بحری قوت بڑھا کر برطانیہ کے دوش بدوش آجانا چاہئے۔

ہر چند حبشہ کی لڑائی کے بعد بھی مسولینی، برطانیہ سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھ سکتا تھا کیونکہ چیمبرلین کی وزارت کا زمانہ تھا اور انگلستان، اٹلی کے ساتھ دوستانہ تعلقات ختم کر دینا اچھا نہ سمجھتا تھا، لیکن حبشہ میں جو آسان فتح اسے حاصل ہوئی تھی، اُس نے مسولینی کی آنکھوں پر پردے ڈالدئے اور اس نے برطانیہ کی مخالفت میں ہٹلر کے ہاتھ کو مضبوط کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس نے ڈینوب میں بھی اپنے اغراض کو نظر انداز کر دیا، آسٹریا کو بھی جرمن حکومت میں شامل ہوتے ہوئے گوارا کر لیا اور اس طرح بلقان میں اپنی تمام اقتصادی توقعات کو صرف اس امید پر خاک میں ملا دیا کہ اس طرح وہ برطانیہ کو صدمہ پہنچا سکے گا۔

مسولینی کی یہ حرکتیں اسی جگہ ختم نہیں ہو گئیں، بلکہ ان میں اور شدت پیدا ہوئی، یعنی ۱۹۳۷ء میں اس نے جرمن فوجوں کو ٹرنسیٹ سے ۶۰ میل کے فاصلہ تک آجانے دیا (درانحالیکہ اسی مقام کے لئے وہ پچھلی جنگ میں اپنے ۶ لاکھ سپاہی کھو چکا تھا) اور ۱۹۳۸ء میں زیگوسلیویکیا کی قطع و برید پر راضی ہو گیا۔ جس کے سپاہیوں نے دس سال پہلے اٹلی کے لئے اپنی جانیں لڑا دی تھیں۔ اس کے دوسرے سال پولینڈ کے معاملہ میں بھی اس نے جرمنی کا ساتھ دیا، درانحالیکہ صدیوں سے اٹلی اور پولینڈ کے تعلقات دوستانہ چلے آرہے تھے۔

مسولینی جسوقت تک توازن قوت والی قدیم پالیسی پر قایم رہا، یوروپ کے حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، لیکن جسوقت اس نے یہ پالیسی بدل کر جرمنی کا پلہ بھاری کر دیا تو خود مسولینی کی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں، یہاں تک کہ جرمنی خود اٹلی پر چھا گیا اور حالت یہ ہو گئی کہ مسولینی کو ہٹلر کے اشاروں پر چلنا پڑا اور اب اٹلی کا ہر سپاہی گویا جرمنی کے لئے جان دے رہا ہے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسولینی ایسا خوددار انسان کیونکر اس کو گوارا کر سکا۔ اس کا جواب ہم کو خود مسولینی کے افعال و کردار میں تلاش کرنا چاہئے۔

جب ۱۹۳۵ء میں جنگ حبشہ کے موقعہ پر اس کے خلاف ناکہ بندی کی گئی تو اس کی اقتصادی دشواریوں نے اسے بعض ایسی حقیقتوں سے دوچار کر دیا جن کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا اور اس نے خیال کیا کہ جب تک وہ یوروپ کے سیاسی مسایل میں آگے بڑھکر برابر کا حصہ نہ لیگا، یہ اقتصادی اندیشہ ہمیشہ قایم رہے گا۔ چنانچہ اس نے ایک چار سالہ اسکیم مرتب کی، لیکن یہ اسکیم صرف نام کی تھی اور اس پر عمل ممکن نہ تھا کیونکہ اٹلی خام پیداوار کے لحاظ سے بہت بدنصیب واقع ہوا ہے اور وہ کسی ایسی اسکیم میں کامیاب نہیں ہو سکتا جو اس کے ملک کو کفیل بالذات بنا دے۔ مثلاً کویلہ کو لیجئے کہ یہ اس کے یہاں بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ اس نے کویلہ کی طرف سے بے نیاز ہونے کے لئے اپنی ریلوں کو بجلی سے چلانا شروع کیا، لیکن اسی کے ساتھ فولادی صنعتوں میں جو ترقی ہوئی اس نے نہ صرف ملک کے پس انداز کئے ہوئے کویلہ کو ختم کر دیا بلکہ باہر سے بھی بڑی مقداریں کویلہ حاصل کرنے پر مجبور کیا۔

دوسری مثال الومینیم کی ہے۔ مسولینی نے چار سالہ اسکیم کے مطابق اس کی صنعت کو چار چند کرنا چاہا تاکہ ہوائی جہازوں کی ساخت میں تانبہ وغیرہ کی جگہ اسی سے کام لیا جائے، لیکن اس کے لئے ہائڈرو الکٹرک سسٹم سے کام لینا ضروری تھا اور

اُس پر ریلوے، اور دوسرے صنعتی اداروں کا پہلے ہی سے اتنا بار تھا کہ جب تک اس کو اور زیادہ وسیع نہ کیا جائے وہ کام نہ دے سکتا تھا اور اس وسعت کے لئے بڑے سرمایہ اور کافی وقت کی ضرورت تھی۔

یہ تھی وہ چار سالہ اسکیم جس کی ناکافی کا صحیح اندازہ مسولینی کو اس وقت ہوا جب وہ لڑائی میں کود پڑا۔ یعنی اب اسے معلوم ہوا کہ جس خام پیداواروں کے ڈر کی وجہ سے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ اب انھیں کی ضرورت پڑ رہی ہے اور خاصکر کوئلہ کہ جس پر جنگ اور صنعت دونوں کا انحصار تھا صرف جرمنی ہی سے اسے مل سکتا تھا۔ اس طرح اٹلی اقتصادی حیثیت سے بالکل جرمنی کا محتاج ہو گیا۔

البانیا لینے کے بعد اٹلی نے وہاں کافی روپیہ پٹرول حاصل کرنے کے لئے لگایا، لیکن قبل اس کے کہ اس میں کامیابی حاصل ہوتی، اس نے یونان سے جنگ چھیڑ دی اور اس طرح البانیا میں جو سرمایہ لگا تھا وہ سب تباہ ہو گیا۔

مسولینی نے فوجی صنعتوں کی ترقی کی طرف ساری توجہ صرف کر دی اور اس نے یہ نہ سوچا کہ امن و سکون کے زمانہ کی صنعتیں سب سے زیادہ مقدم ہیں اور انھیں پر قوم کی زندگی کا انحصار ہوا کرتا ہے۔ برآمد والی صنعتوں کے لئے جو بیرون ملک کے بازاروں میں ساکھ قایم کرتی ہیں، اٹلی خام پیداوار فراہم نہ کر سکتا تھا اور کھانے پینے کی چیزوں کے سلسلہ میں غلہ کی پیداوار تو خیر ایک حد تک بڑھ گئی، لیکن گوشت، مچھلی اور چربی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ اس پر اقتصادی دباؤ بڑھنے لگا، اور آخر کار ہٹلر نے مجبور کیا کہ وہاں کاشت کے جدید ذرایع اختیار کئے جائیں تاکہ غلہ کی زیادہ پیداوار سے جرمنی فایدہ اُٹھائے۔

جب کسی ملک کا اقتصادی پس منظر یہ ہو، تو ظاہر ہے کہ اس کا لڑائی میں کود پڑنا کتنی بڑی حماقت ہے، لیکن باوجود اس کے کہ اٹلی کے ذی فہم لوگ اس سے واقف تھے، مسولینی اس حماقت کا مرتکب ہوا اور اب اس کی سزا ساری اطالوی قوم کو بھگتنا پڑ رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مسولینی انگریز قوم کی خصوصیات سے واقف نہیں اور اسی لئے اس نے برطانیہ کو کمزور سمجھنے کی غلطی کی، لیکن سوال یہ ہے کہ جو شخص ۱۸ سال تک اپنے ملک میں سیاہ و سفید کا مالک رہ چکا ہو، وہ خود اپنی کمزوریوں سے بھی واقف نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا دماغ اٹلی کے اخباروں نے خراب کر دیا تھا اور وہ اپنے آپ کو بالکل غیر فانی چیز سمجھنے لگا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبل از وقت وہ فنا کی منزل سے گزرنے لگا اور کون کہہ سکتا ہے کہ پھر اس کو دوبارہ زندگی حاصل ہو گی یا نہیں۔

ترجمان بلوچ

ہفتہ وار اخبار ہے جو تقریباً ایک سال ہوئے ڈیرہ اسماعیل خاں سے جاری ہوا اور اب تک باقی و زندہ ہے۔

اس کے مدیر سردار احمد خاں بلوچ، سرحد کے مشہور اہل قلم اور با اثر لوگوں میں سے ہیں جو اس اخبار کو مفید و دلچسپ بنانے میں پوری کوشش صرف کر رہے ہیں۔ یہ اخبار قوم بلوچ کو منظم کرنے کے لئے نکالا گیا ہے لیکن مضامین کا تنوع ہر شخص کے لئے دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔

اس میں سیاست، زراعت، دیہی اصلاح کے علاوہ تصوف و عرفان کا بھی ایک حصہ ہوتا ہے، جو فاضل مدیر کا فطری رجحان ہے۔ نمونہ دفتر "ترجمان بلوچ" ڈیرہ اسماعیل خاں سے مفت مل سکتا ہے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ (للعہ)

تُرکی کی جغرافی و جنگی اہمیت

اور

برطانیہ و ترکی کے تعلقات

"استنبول کا یہ شہر بھی کتنا عجیب ہے۔ تاریخ کے ایک پیسے کے بدلے میں ایک شخص ایشیائے کوچک سے فرنگیوں کے ملک تک چلا جاتا ہے" ——— طرسوں بیگ (پندرھویں صدی کا ایک ترکی مصنف)

جغرافی اہمیت ۔ چونکہ ترکی، ایشیا کے شمال مغرب اور یورپ کے جنوب مشرق میں واقع ہے، اسلئے ایشیائی بھی ہے اور یورپی بھی۔ ترکی کا بیک وقت روس، بلقان، بحرِ روم اور مشرقِ وسطیٰ سے تعلق رکھنا، اُس کی جغرافی پوزیشن کو بہت اہم بنا دیتا ہے ——— درۂ دانیال، باسفورس اور بحیرۂ مارمورا، جن پر ترکی کا قبضہ ہے، بحرِ روم اور بحرِ اسود کے مابین واقع ہیں اور ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک جانے کے لئے ان مقامات سے گزرنا ناگزیر ہے۔ جرمنی اگر مشرقِ وسطیٰ کی طرف بڑھنا چاہے تو یہ دونوں مقامات اُس کے لئے پُل کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر جرمنی بحیرۂ ایجین اور بحرِ اسود تک پہونچ جائے (جیسا اسوقت ہے) تب بھی درۂ دانیال و باسفورس کی وجہ سے اُس کے ہر دو پہلو خطرہ میں رہتے ہیں۔ بحرِ اسود سے بحرِ روم تک روس اور روما نیا کی تجارت کا دارومدار بھی اسی راستہ پر ہے۔ ترکی نے ان دروں کو نہایت اچھی طرح مسلح کر لیا ہے اور ان کی حفاظت کے کافی انتظامات کر لئے ہیں۔ مانٹریو کانفرنس ۱۹۳۶ء کے صلحنامہ کی رو سے ترکی کو امن اور جنگ کے زمانہ میں اُن پر کامل اختیارات ہیں۔

دانیال اور باسفورس کے علاوہ، ترکی کے پاس سمرنا اور اسکندرونہ کے اہم بندرگاہ بھی ہیں جو بحرِ روم کے کنارے ترکی کے مغربی ساحل پر واقع ہیں۔ سنجاق کا علاقہ ایسی جگہ واقع ہے جہاں شامی و ترکی سرحد، سمندر سے ملتی ہے۔ اس جگہ سے شمالی شام کے میدان اور ایشیائے کوچک کے داخلوں کی نگرانی ہو سکتی ہے۔ اس علاقہ میں اسکندرونہ کا اہم قدرتی بندرگاہ واقع ہے جہاں سے قرب و جوار کا تجارتی سامان، باہر جاتا ہے۔ انقرہ، استنبول، حلب، دمشق اور حیفہ جانے والی ریل کی سڑکوں سے اس بندرگاہ کی ریلوے لائن ملا دی گئی ہے جس کی وجہ سے اسکندرونہ سے مصر اور عراق تک بھی براہ راست سلسلۂ رسل و رسایل قایم ہے۔

ارضِ روم کی طرف ترکی سے روس تک براہ راست ریلوے لائن بن گئی ہے اور بغداد ریلوے کی وجہ سے باسفورس سے خلیج فارس تک راستہ بن گیا ہے۔ درۂ دانیال، اور قافی محفوظ علاقوں میں ہیں جہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ان تمام مقامات کو اچھی طرح سے مضبوط کر لیا گیا ہے۔ سمرنا کے بندرگاہ میں غیر ممالک کے جنگی جہاز نہیں آسکتے اور

اناطولیہ کے ساحل کی حفاظت کا بھی معقول انتظام ہے۔

جنگی طیاری

ترکی کی فوج نے ہر معرکہ میں قابل قدر کارنامے انجام دئے ہیں اور جدید ترکی کی فوج، اُنھیں کارناموں کی علمبردار ہے۔ زمانۂ امن میں ترکی کے فوجی افسروں کی تعداد ۲۰ ہزار اور سپاہیوں کی ایک لاکھ ۴۰ ہزار ہے جنگ کے زمانہ میں تقریباً دس لاکھ سپاہی میدان جنگ میں آسکتے ہیں۔ انقرہ میں فوجی افسروں کو ٹریننگ دینے کا ایک کالج ہے اس کالج کی بنیاد، تقریباً سو برس پہلے قائم کی گئی تھی اور کوئی چار برس ہوئے، اُسے نئے دارالحکومت میں منتقل کر دیا گیا ہے یونیورسٹی کے گریجویٹ، جب فوج میں بھرتی ہوتے ہیں تو اُنھیں رزرو افسر کی حیثیت سے ۱½ سال ٹریننگ حاصل کرنا ہوتی ہے اور پھر اُنھیں سکنڈ لفٹننٹ کا درجہ دے کر الگ کر دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے ترکی میں رزرو افسروں کی کافی تعداد رہتی ہے جس سے بوقت ضرورت کام لیا جا سکتا ہے۔ پیشہ ور فوجی افسروں کو اوائل عمر سے ٹریننگ دی جاتی ہے۔ فوجی بھرتی ہونے پر ہر ایک شخص کو عام ابتدائی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

ترکی کے پاس ایک بڑا جنگی جہاز، باوز نامی ہے۔ پہلے اس کا نام گوبن تھا اور ترکی کو وہ جرمنی سے ملا تھا۔ یہ جہاز جنگ عظیم سے پہلے کا بنا ہوا ہے مگر ۱۹۲۸ء میں اُس میں اصلاحات کی گئی تھیں۔ کروزر ۲ ہیں اور تباہ کن جہاز، تارپیڈو کشتیاں اور آبدوزیں کافی ہیں۔ بحری عملہ کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ باسفورس میں بحری تعلیم کا ایک کالج ہے جس کی مدت تعلیم تین سال ہے۔ ایک سال کالج میں تعلیم دی جاتی ہے اور پھر دو سال جنگی جہازوں میں عملی سبق سکھائے جاتے ہیں۔ ترکی کا بحری بیڑہ، بحیرۂ مارمورا میں رہتا ہے اور اُس کا صدر مقام عظمت ہے۔

ترکی کے فضائی بیڑہ میں کئی سو ہوائی جہاز ہیں اور مزید طیارے لئے جا رہے ہیں۔ متعدد برطانوی طیارے بھی خریدے گئے ہیں۔ فضائی تعلیم دینے کا بھی ایک کالج ہے۔ برطانوی شاہی فضائی بیڑہ کے بعض افسر، موجودہ جنگ چھڑنے کے بعد سے ترکی میں مقیم ہیں اور ترکوں کو ہوا بازی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ سرکاری فضائی بیڑہ کے علاوہ، ملک میں متعدد پرائیویٹ انجمنیں ہیں جو پرائیویٹ طریقوں سے ہوا بازی کی تعلیم دیتی ہیں۔

مندرجۂ بالا فوجی کالجوں کے علاوہ، استنبول میں ایک اور فوجی کالج ہے جہاں بحری، فضائی اور بری تینوں قسم کی فوجی تعلیم دی جاتی ہے۔

ترکی کی جنگی صنعت کی حالت ابھی قابل اطمینان نہیں۔ ملک میں جو سامان جنگ طیار ہوتا ہے، وہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں ترکی کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ کچھ فیکٹریاں ضرور ایسی ہیں جہاں معمولی اسلحہ جات طیار ہوتے ہیں۔ ہوائی جہاز بنانے کا بھی ایک کارخانہ ہے مگر ہوائی جہاز کے انجن، باہر سے منگوانا پڑتے ہیں۔ اسٹیل کا سامان ملک ہی طیار ہوتا ہے۔

موجودہ جنگ چھڑنے کے بعد، فوج کے ساز و سامان کو مکمل بنانے کی بہت کوشش کی گئی ہے اور دیگر مصنوعات جنگ میں بھی اضافہ کی امید ہے۔

ترکی اور برطانیہ کے تعلقات

ترکی اور برطانیہ کے دوستانہ تعلقات بہت قدیم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب انگریز کے بحری بیڑہ "آرمیڈا" کو برطانیہ کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو حکومت ترکیہ نے اظہار مسرت کیا تھا۔ سترھویں صدی میں ایک انگریزی سفیر متعینۂ ترکی نے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

انگلستان ایسے دور و دراز ممالک کے بادشاہوں میں، شاہ برطانیہ سے زیادہ یہ لوگ (ترک) کسی کو پسند نہیں کرتے۔ یہ خیالات صرف تجارتی سہولت کی بنا پر نہیں ہیں جس کی وجہ سے سلطنت کو بہت سی چیزیں ملتی رہتی ہیں، بلکہ برطانیہ کی جہاد رانی اور اُس کی بحری طاقت اس کی ذمہ دار ہے کیونکہ اس کی بدولت، وہ دنیا کے ہر حصہ سے علٰحدہ ہونے کے باوجود سمندر کے کنارے بسنے والے ہر ملک سے ملحق ہے۔ سلطان، کی نظروں میں ملک معظم کی جو عزت و حرمت ہے، اُس کا ثبوت کئی موقعوں پر ملا ہے۔

اُنیسویں صدی میں برطانوی پالیسی کا یہ خاص جزو رہا کہ سلطنت ترکی بیرونی حملوں سے محفوظ رہے، چنانچہ برطانیہ نے روس کے خلاف ترکی کو متعدد مرتبہ امداد پہونچائی اور جنگ کریمیا میں، ترکی کی طرف سے برطانوی اور فرانسیسی فوجوں نے روس سے جنگ کی۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں البتہ ان تعلقات نے ناخوشگوار صورت اختیار کر لی تھی اور ترکی پر جرمنی کا جادو چل گیا تھا چنانچہ جنگ عظیم میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا۔ مسئلہ موصل کی وجہ سے یہ اختلاف جنگ عظیم کے بعد بھی قایم رہا لیکن اُسی سال برطانیہ، عراق اور ترکی میں ایک معاہدہ ہوا، جس کی وجہ سے ترکی۔ برطانوی تعلقات پھر خوشگوار ہو گئے۔ سنہ ۱۹۳۰ء سے ان تعلقات میں مزید استواری پیدا ہونے لگی کیونکہ اٹلی کی جارحانہ پالیسی اور اُس کا شوق ملک گیری دونوں ملکوں کو اپنے لئے خطرناک نظر آرہا تھا۔ چنانچہ جب ۳۶-۱۹۳۵ء میں جنگ حبش و اٹلی کے سلسلہ میں اٹلی کا تجارتی بائیکاٹ کیا گیا تو ترکی نے نہایت خندہ پیشانی سے اٹلی کے خلاف برطانیہ کے ساتھ تعاون کیا۔ مانٹریو کانفرنس کے بعد (جس میں ترکی کو درۂ دانیال اور باسفورس پر کامل اختیارات دیدئے گئے) برطانیہ اور ترکی کی دوستی اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئی اور اُسی سال جب شاہ ایڈورڈ ہشتم صدر ترکی سے ملنے ترکی گئے تو ان دوستانہ تعلقات کا مزید اظہار ہوا۔ اس کے بعد عصمت انونو، شاہ جارج ششم کی تخت نشینی کی تقریبات میں حصہ لینے کے لئے انگلستان گئے۔ سنہ ۳۸ء میں ترکی اور برطانیہ کے تجارتی تعلقات میں بھی اضافہ ہوا اور حکومت برطانیہ نے حکومت ترکی کو کئی کروڑ روپیہ قرض دیا۔ ترکی نے کئی برطانوی کارخانوں کو اپنے لئے بعض سامان طیار کرنے کا بھی آرڈر دیا۔ ۱۲ مئی سنہ ۳۹ء کو ترکی اور برطانیہ کا ایک متحدہ اعلان شایع ہوا کہ ہر دو ممالک میں ایک مستقل سمجھوتہ ہونے سے قبل ہی یہ طے کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی غیر ملک بحر روم کے رقبہ میں جنگ چھیڑ دے تو دونوں ملک ایک دوسرے کو ہر امداد دیں گے۔ اس کے بعد اکتوبر سنہ ۳۹ء میں ترکی اور برطانیہ کے مابین ایک مستقل سمجھوتہ ہو گیا۔ سمجھوتہ سے قبل کئی اور واقعات سے بھی ترکی اور برطانیہ کے خوشگوار تعلقات کا پتہ چلتا تھا۔ مثلاً جنوری سنہ ۳۹ء میں ترکی کے ایک سابق وزیر خارجہ، ڈاکٹر مشتوار آس، برطانیہ کے سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ اس تقرر سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ترکی کے نزدیک برطانیہ کی کتنی اہمیت ہے۔ جون کے مہینے میں ہر دو ممالک نے اپنے اپنے فوجی مشن ایک دوسری جگہ بھیجے۔ فوجی مشن کے بعد ترکی اخبار نویسوں کا ایک وفد لندن گیا۔ اگست میں، صدر ترکی کی دعوت پر برطانوی جنگی جہاز، استنبول اور سمرنا گئے۔ اس موقعہ پر ترکی اخبارات نے برطانوی جہازوں کا "بحر روم کے محافظ" کی حیثیت سے اقبال کیا اور صدر ترکی نے برطانوی امیر البحر، سر کننگھم سے ملاقات کی۔ سمرنا کے بندرگاہ میں کسی غیر ملکی جہاز کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن صدر جمہوریۂ ترکی کا، برطانوی جہازوں کو سمرنا آنے کی دعوت دینا، اس امر کا ثبوت تھا کہ ترکی کو برطانیہ پر کس قدر اعتماد ہے۔

ترکی کی مشہور مصنفہ، خالدہ ادیب خانم نے "ترکی اور اُس کے حلیف" کے زیر عنوان ایک کتاب لکھی ہے جس میں

اُنھوں نے ایک تعلیم یافتہ ترک اور ایک ترکی ملاح کی گفتگو درج کی ہے جو برطانوی۔ ترکی معاہدہ ہونے کے دن باسفورس میں دونوں میں ہوئی تھی۔ وہ گفتگو یہ تھی:

ملاح ــ "اخبارات میں نکلا ہے کہ انگریز اب ہمارے حلیف ہو گئے ہیں، سُنتا ہوں کہ فرانسیسیوں سے بھی دوستی ہو گئی ہے۔ یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جنگ کریمیا کا زمانہ آگیا ہو"

تعلیمیافتہ ترک ــ "جنگ کریمیا کے بارہ میں تمھیں کیا معلوم ہے؟"

ملاح ــ "میرے دادا اُس میں لڑے تھے"

ترک ــ "کیا تم موجودہ معاہدہ کو پسند کرتے ہو؟"

ملاح ــ "ہاں"

ترک ــ "کیوں؟"

ملاح ــ "اس لئے کہ ممکن ہے جنگ اور بڑی جنگ چھڑ جائے۔ قدرتاً اس کی وجہ سے ہم خطرہ میں پڑ جائیں گے۔ ہمیں حلیفوں کی ضرورت ہے۔ ہماری حکومت نے بہت عقلمندی سے کام لیا"

ترک ــ "کیا تمھیں یاد نہیں کہ ان ملکوں نے گزشتہ جنگ عظیم کے بعد ہمارے ساتھ کیا کیا؟"

ملاح ــ "نہیں"

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے پھر کہا ــ "آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے بہت سے طاقتور دشمن ہیں۔ ہر بڑی جنگ میں کوئی نہ کوئی چاہتا ہے کہ ہمارا ملک چھین لے۔ اب جو لوگ ہمارا ملک چاہتے ہیں وہ نہ انگریز ہیں اور نہ فرانسیسی۔ اب جن لوگوں کو ترکی کی لالچ ہے، وہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے دشمن ہیں۔ اس لئے وہ ہماری ہی طرف رہیں گے"

موجودہ جنگ چھڑنے کے بعد ترکی کی پالیسی

جب جنگ چھڑی ہے، تو ترکی عجب گومگو کے عالم میں تھا۔ جنگ چھڑنے سے قبل اُسے خیال تھا کہ روس اور برطانیہ میں سمجھوتہ ہو جائیگا اور چونکہ روس اور ترکی سے دوستانہ ہے، اس لئے ترکی کو دوستوں کی ایک جماعت مل جائے گی۔ لیکن جب روس اور جرمنی میں سمجھوتہ ہو گیا اور جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا تو ترکی کے لئے یہ سوال پیدا ہوا کہ اب وہ جرمنی و روس کا ساتھ دے یا برطانیہ و فرانس کا۔ روس سے تو اُس کا ضرور دوستانہ تھا مگر وہ جرمنی سے کوئی معاہدہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ ترکی مدبرین کو جرمنی کی جارحانہ پالیسی سے سخت خطرہ تھا۔ لیکن برطانیہ و فرانس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں بھی اُسے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں روس نہ خفا ہو جائے۔

چنانچہ اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے ترکی نے چاہا کہ روس سے کوئی نیا معاہدۂ دوستی ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے ترکی وزیر خارجہ روس گئے مگر دونوں ملکوں میں کوئی نیا معاہدہ نہ ہو سکا۔ آخر کار ترکی نے برطانیہ اور انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کرنے میں زیادہ تاخیر کرنا مناسب نہ سمجھا اور ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ترکی ــ برطانیہ اور فرانس میں ایک مستقل معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدہ کی خاص دفعات یہ تھیں۔

(۱) ــــــــــ اگر کوئی یوروپین ملک ترکی کے خلاف جارحانہ کارروائی کرے جس کی وجہ سے ترکی کو

اُس سے لڑنا پڑے، تو حکومت فرانس و حکومت برطانیہ، ترکی کے ساتھ پورا اشتراکِ عمل کرینگی اور حتی الامکان اُسکی پوری مدد کریں گی۔

۲ - (الف) اگر کسی یوروپین ملک کی جارحانہ کارروائی کی وجہ سے بحرِ روم میں جنگ چھڑ جائے اور برطانیہ و فرانس اُس میں پھنس جائیں تو ترکی، برطانیہ و فرانس کے ساتھ پوری طور پر اتحادِ عمل کرے گا اور اُنھیں ہر ممکن امداد دے گا۔

(ب) اگر کسی یوروپین ملک کی جارحانہ کارروائی کی وجہ سے بحرِ روم میں جنگ چھڑ جائے اور ترکی اُس میں پھنس جائے تو فرانس و برطانیہ، ترکی کے ساتھ پوری طور پر اتحادِ عمل کریں گے اور اُسے ہر ممکن امداد دیں گے۔

۳ - جب تک وہ ضمانتیں جو فرانس اور برطانیہ نے اپنے اعلانات مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۹ء کی رو سے رومانیا اور یونان کو دی ہیں، قایم ہیں۔ تو ترکی ایسی صورت میں کہ ان ضمانتوں میں سے کس ضمانت کی رو سے فرانس اور برطانیہ کو کسی جنگ میں شرکت کرنا پڑ جائے، فرانس اور برطانیہ کے ساتھ پوری طور پر اتحادِ عمل کرے گا اور اُن کو ہر ممکن امداد دے گا۔

اِس صلحنامہ کی مدت ۱۵ برس مقرر ہوئی اور یہ طے ہوا کہ جس دن اُس پر دستخط ہو جائیں اُسی وقت سے اُسے نفاذ پذیر سمجھا جائے۔ لیکن چونکہ ترکی، روس کی کسی طرح مخالفت مول نہیں لینا چاہتا تھا اس لئے اس صلحنامہ میں یہ دفعہ بھی رکھی گئی کہ ترکی نے اپنے سوجو ذمہ داریاں لی ہیں ..... وہ اُسے ایسا قدم اُٹھانے پر مجبور نہیں کر سکتیں جس کے باعث یا جس کے نتیجہ میں روس اور ترکی سے جنگ چھڑ جائے۔

اس صلحنامہ کے بعد اتحادیوں اور ترکی میں برابر اشتراک عمل ہوتا رہا۔ ستمبر کے دوسرے ہفتہ میں جنرل ویگان (جو اُس وقت شام میں فرانسیسی سپہ سالار تھے) انقرہ گئے۔ اکتوبر میں ایک ترکی فوجی مشن انگلستان گیا۔ دسمبر میں ترکی کے امورِ خارجہ کے انڈر سکریٹری، لندن اور پیرس گئے۔ ۸ جنوری ۱۹۴۰ء کو ترکی اور اتحادیوں میں ایک مالی اور تجارتی سمجھوتہ ہوا۔ جنوری کے آخر میں جنرل ویگان، پھر ترکی گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ترکی اخبار کا ایک وفد، فرانس گیا اور میجنوٹ لائن کا معائنہ کیا۔ ۱۰ اپریل کو ایک فرانسیسی فوجی مشن ترکی پہونچا اور ۶ مئی کو ترکی کا ایک نیا وفد لندن گیا۔

اس اثناء میں ترکی اور روس کے تعلقات بھی خوشگوار رہے اور جرمنی کی جنگ میں بھی وہ عملی طور پر غیر جانبداری پر برقرار رہا۔ لیکن جب اٹلی میدانِ جنگ میں آیا، تو ترکی کے لئے صورت حال پھر نازک ہو گئی۔ برطانوی، ترکی معاہدہ کی رو سے ترکی کو اتحادیوں کے ساتھ فوراً جنگ میں آجانا چاہئے مگر واقعات اتنی جلد بدل رہے تھے اور سیاسیات یورپ میں ایسے اہم تغیرات ہو رہے تھے کہ ترکی نے محوری طاقتوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ترکی کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ مسولینی نے جنگ میں اُسی وقت شرکت کی ہے جب اُسے یہ یقین ہو گیا ہے کہ فرانس ہتھیار ڈالنے والا ہے۔ اس کے علاوہ بحیرۂ بالٹک اور بلقان میں روس نے جو پالیسی اختیار کر رکھی تھی، اُسے دیکھتے ہوئے، ترکی کو سخت اندیشہ تھا کہ اگر اُس نے جنگ میں شرکت کی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ روس اور ترکی میں نہ چھڑ جائے۔ اس خیال سے ترکی نے برطانیہ کا دوست رہتے ہوئے جنگ میں اپنی غیر جانبداری کا پھر اعلان کیا اور برطانوی۔ ترکی معاہدہ میں روس کے متعلق جو دفعہ تھی، اُس کا حوالہ دیتے ہوئے جنگ میں شرکت سے اپنی معذوری کا اظہار کیا۔

مگر، خطرہ کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اُس نے اپنے تحفظ کے انتظامات بھی شروع کر دئے۔ فوجی ضرورتوں کے لئے

نذر و آدمیوں کی خدمات حاصل کرلی گئیں اور درۂ دانیال کے استحکامات کو مستحکم تر کرنا شروع کر دیا گیا۔ جولائی میں جرمنی نے روس و ترکی کے تعلقات ناخوشگوار کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ برطانیہ، فرانس اور ترکی مل کر روس پر حملہ کرنے والے ہیں مگر اتحادیوں اور ترکی نے اس الزام کی پر زور تردید کردی۔ اسی دوران میں ترکی نے اپنے یوروپین علاقہ کے بڑے حصہ میں بعض مزید جنگی انتظامات کرلئے۔

جب یونان اور محوری طاقتوں سے جنگ چھڑی، تو ترکی کو برطانوی، ترکی معاہدہ کے مطابق، پھر ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، لیکن روس کی وجہ سے وہ پھر غیر جانبدار رہنے پر مجبور ہوگیا۔ آخر کار جرمنی نے یونان اور یوگوسلاویا دونوں پر قبضہ کرلیا، رومانیا تو پہلے ہی جرمنی کا آلۂ کار بن چکا تھا، بلغاریا بھی اُس کا شریک ہوگیا اور جرمنی کا اثر بحر اسود اور بحیرۂ ایجین تک پھیل گیا۔ یونان فتح کرلینے کے بعد جرمنی نے بعض یونانی جزیروں پر بھی جو ترکی کے ساحل سے قریب تھے، قبضہ کرلیا اور پھر جزیرۂ قریط بھی لے لیا۔ ادھر فرانس بھی ہتھیار ڈال دینے کے بعد رفتہ رفتہ جرمنی کا آلۂ کار بننے لگا تھا، یہاں تک کہ اُس نے شام میں جرمنوں کو ہوائی اڈے دیدئے۔ گویا اب صورت یہ ہوگئی تھی کہ جرمنی نے قریب قریب تین طرف سے ترکی کو گھیر لیا تھا۔ یہ صورت ترکی کے لئے نہایت خطرناک تھی۔ جنگ چھڑنے کے بعد سے جرمنی نے کئی کوششیں کی تھیں کہ ترکی، برطانیہ کو چھوڑ کر اس کا ہمنوا بن جائے لیکن اُس نے جرمنی کے مشورہ پر کوئی عمل نہ کیا تھا۔ جب وہ تین طرف سے گھر گیا تو جرمنی نے پھر اُس سے عہد نامہ کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اب کی مرتبہ ترکی اور جرمنی میں ایک عہد نامہ کی رو سے یہ طے ہوا کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف کوئی حصہ نہ لیں گے۔ لیکن ترکی نے اس معاہدہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے کیا کہ جرمنی اور ترکی معاہدہ کی وجہ سے ترکی اور برطانیہ کے معاہدہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور ترکی و برطانیہ کے جو تعلقات ہیں، وہ بدستور قایم رہیں گے۔ حکومت ترکی نے اس معاہدہ پر دستخط ہونے سے قبل، برطانیہ کو بھی صورت حال سے مطلع کر دیا تھا اور برطانیہ نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ ترکی، جرمن معاہدہ کے بعد، حکومت ترکی کی طرف سے ذمہ دارانہ طور پر یہ اعلان بھی کیا گیا کہ برطانیہ اور ترکی کے دوستانہ تعلقات بدستور قایم ہیں اور اُن میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا ہے۔ جنگ روس و جرمنی کے بعد بھی ترکی بدستور غیر جانبدار رہا۔ گویا اس وقت ترکی ہی ایک ایسا ملک ہے، جس کا دامن شروع سے جنگ کے کانٹوں میں اُلجھنے لگا تھا مگر اُس نے اپنی حکمت عملی سے، اپنے آپ کو ابھی تک ہر طرح محفوظ رکھا ہے۔

صباح الدین عمر

نہایت عمدہ و ارزاں

نادر موقعہ

۲۵ عدد، دو رُخے لیتھو پریس کے پتھر سایز ۱۴ × ۲۰ - ۲۳ × ۱۷½ اور ۲۳ × ۱۶ برائے فروخت موجود ہیں۔ قیمت بازاری چھ آنے چھ پائی فی پونڈ ہے مگر لاٹ کی لاٹ لینے والے کے ساتھ مناسب رعایت کی جائے گی۔ خط و کتابت اس پتہ سے کی جائے:

ایچ۔ معرفت نگار لکھنؤ

بقیہ داستانِ جنگ

اسپین کی خانہ جنگی پچھلی لڑائی کے بعد یورپ کے اُن حالات میں، جو موجودہ جنگ کے چھڑنے کا باعث ہوئے، اسپین کی خانہ جنگی بھی ہے۔ اسپین میں ۱۹۳۱ء تک جنرل پرمیو (Primo) کی ڈکٹیٹرشپ قایم رہی۔ اس کے بعد جب شہنشاہ الفانسو بھاگ گیا تو ابتداء میں قدامت پسندوں اور انتہا پسندوں کے درمیان کچھ کشمکش رہی، لیکن کامیابی موخرالذکر کو نصیب ہوئی اور اُس کے ساتھ ہی جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آیا، اس جمہوریت کا صدر آزانا (Azana) تھا۔ اس کابینہ میں کوئی اشتراکی (کمیونسٹ یا سوشلسٹ) شامل نہ تھا۔ نئی حکومت نے زمینداری کے قانون میں اصلاح کا کام شروع کیا، جس کو قدامت پسند جماعت نے (جس میں زمیندار اور سرمایہ دار شامل تھے) ناپسند کیا اور جنرل فرینکو کو حکومت کے خلاف آمادۂ بغاوت کیا۔ اس بغاوت کی ابتداء ۱۸ جولائی ۱۹۳۶ء کو ہوئی۔ اس بغاوت کی حمایت اٹلی اور جرمنی نے کی۔ دوسری طرف روس نے جمہوریت کا ساتھ دینا شروع کیا مگر در پردہ۔ فرانس اور برطانیہ الگ تھلگ رہے اُن کو ڈر تھا کہ کہیں اُن کی مداخلت بین الاقوامی جنگ کا سبب نہ بن جائے۔ حالانکہ اگر فرانس، برطانیہ اور روس تینوں وہاں کی جمہوری حکومت کی مدد پر آمادہ ہوجاتے تو شاید جرمنی اور اٹلی دونوں مداخلت سے باز آجاتے اور اسپین کی جمہوریت، ڈکٹیٹرشپ میں تبدیل نہ ہوتی۔ اسپین کی خانہ جنگی ڈھائی سال تک جاری رہی اور آخر کار ۲۸ اپریل ۱۹۳۹ء کو اس لڑائی کا فیصلہ باغیوں کے حق میں ہوا اور یورپ کے اندر ایک تیسری فسطائی حکومت قایم ہوگئی۔

روس کے خلاف فسطائی طاقتوں کا محاذ ہٹلر اپنے ارادوں کی تکمیل کی راہ میں جس چیز کو سنگ گراں سمجھ رہا تھا وہ روس اور اُس کی اشتراکیت تھی اور اُس کا یہ خیال صحیح بھی تھا۔ اگر یورپ کی طاقتیں ابتداء ہی میں روس کا ساتھ دیتیں تو آج دنیا کا نقشہ بالکل مختلف ہوتا۔ ہٹلر نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ یورپ کے سامنے روس کی اشتراکیت کا ہوّا پیش کیا، اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف روس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں سما گئی اور دوسری طرف ناتسیت کے مضر پہلو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔ جس وقت اسپین میں خانہ جنگی شروع ہوئی جاپان شدید اقتصادی مشکلات میں مبتلا تھا اور اُس کو روس سے بھی خطرہ پیدا ہو رہا تھا۔ ہٹلر نے اس موقعہ سے فایدہ اُٹھا کر جاپان کو اپنا ہمنوا بنا لیا اور ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو روس کے خلاف ان کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا۔ ۲۵ نومبر ۱۹۳۷ء کو مسولینی نے بھی اس معاہدہ پر دستخط کردئے اور دسمبر ۱۹۳۸ء میں منچکو (Manchukuo) بھی اس معاہدہ میں شامل ہوگیا اس کے بعد فروری ۱۹۳۹ء میں ہنگری نے بھی اس پر دستخط کردئے اور جنرل فرینکو بھی اسپین میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپریل ۱۹۳۹ء میں اس معاہدہ میں شامل ہوگیا۔

ہٹلر کے عزائم اس معاہدہ سے ہٹلر کو ایک فایدہ تو یہ ہوا کہ مسولینی اُس کی سیاسی شاطرانہ چالوں کا قایل ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ ہٹلر کو اب یورپ میں مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ تیسرا فایدہ یہ ہوا کہ روس جو اب تک ساری توجہ یورپ پر صرف کر رہا تھا، اسے اب ایشیا کی طرف بھی متوجہ ہونا پڑا۔ جب نوبت یہاں تک پہونچ گئی تو ہٹلر نے دیکھا کہ اب یوروپ میں پاؤں پھیلانے کا وقت آگیا ہے اور اس نے سب سے پہلا قدم آسٹریا کی طرف بڑھایا۔

آسٹریا ۱۹۱۸ء کی لڑائی کے بعد آسٹریا نے ایک آزاد ریاست کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور ہٹلر نے بھی اسکی آزادی کو ۱۱ر جولائی ۳۶ء کے ایک عہدنامہ کے ذریعہ سے تسلیم کر لیا تھا اور ۱۲ر فروری ۳۸ء کو پھر اس معاہدہ کی تجدید ہوئی۔ لیکن اس تجدید عہد کو صرف ۲۸ دن گزرے تھے کہ یکایک ۱۰ر مارچ ۳۸ء کی صبح کو ہٹلر کی فوجیں آسٹریا پر قابض ہوگئیں۔ برطانیہ نے اس موقعہ پر بھی چشم پوشی سے کام لیا اور یہ کہکر ٹال دیا کہ آسٹریا کی آبادی بہرحال جرمن ہی ہے اس لئے اُس کو ہر وقت جرمنی کے ساتھ شامل ہو جانے کا حق حاصل ہے، لیکن اٹلی، فرانس اور روس بہت گھبرائے۔ اٹلی چونکہ جرمنی کے ساتھ تعلقات پیدا کر چکا تھا، اس لئے وہ تو خاموش رہ گیا، لیکن فرانس اور خصوصیت کے ساتھ روس کا معاملہ مختلف تھا، کیونکہ اس طرح زیکوسلیوکیا کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا جو بالکل روس سے قریب ہے۔ چنانچہ روس نے دول یوروپ کی ایک کانفرنس "ناتسی خطرہ" پر غور کرنے کے لئے طلب کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن برطانوی سیاستدانوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اگر اس تجویز پر عمل کیا گیا تو یوروپ دو حصوں میں بٹ جائے گا اور یہ "ایک ایسے خطرہ کی طرف عملی قدم اُٹھانا ہوگا جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے"۔ زیکوسلیوکیا کے معاملہ کو مسٹر چیمبرلین نے اس لئے زیادہ اہمیت نہیں دی کہ فیلڈ مارشل گورنگ وعدہ کر چکے تھے کہ جرمنی چیکوسلاواکیا سے بگاڑ پیدا پسند نہیں کرتا۔

چیکوسلاواکیا اور معاہدہ میونخ لیکن ہٹلر نے اس کے بعد ہی اگست ۳۸ء میں سوڈٹن جرمن (Sudeten German) کا مطالبہ زیکوسلیوکیا سے شروع کر دیا۔ اب صورتِ حال اسقدر نازک ہو گئی، معاملات طے کرنے کے لئے چیمبرلین کو بڑھاپے میں تین بار ہٹلر کے پاس جانا پڑا۔ اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ میونخ کانفرنس کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور بالآخر ۲۹ر ستمبر ۳۸ء کو ہٹلر کے تقریباً تمام مطالبات تسلیم کر لئے گئے اور زیکوسلاواکیا کو مشورہ دیا گیا کہ وہ سوڈٹن جرمن علاقے سے دستبردار ہو جائے۔ مسٹر چیمبرلین بڑے امن پسند انسان تھے۔ اس لئے وہ میونخ کانفرنس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اس طرح انھوں نے اپنے نزدیک یوروپ کو دوسری جنگ عظیم سے بچا لیا تھا، لیکن اُن کی مسرت دیرپا ثابت نہ ہوئی

چیکوسلاواکیا پر قبضہ معاہدۂ میونخ کی ابھی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ہٹلر نے چیکوسلاواکیا کی طرف قدم بڑھایا۔ ۱۴ر مارچ ۳۹ء کو ہٹلر نے چیکوسلاواکیا کے صدر کو برلن طلب کر کے اُس کے سامنے دستخط کے لئے ایک کاغذ بڑھا دیا۔ اس دستاویز میں بوہیمیا (Bohemia) اور موراویا (Moravia) کے صوبوں سے دستبردار ہونے کا مطالبہ تھا۔ جب صدر نے دستخط کرنے سے انکار کیا تو ہٹلر نے صاف الفاظ اور فیصلہ کن لہجہ میں اُن کو بتلا دیا کہ انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ کل صبح تک جرمن فوجیں چیکوسلاواکیا کو راکھ کا ڈھیر بنا دیں۔ مسٹر ہاشا (Hacha) صدر چیکوسلاواکیا نے پھر بھی پس و پیش کیا چنانچہ ۲۴ گھنٹہ تک اُن کو حراست میں رکھا گیا۔ اُن کی دماغی کیفیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس عرصہ میں وہ متعدد بار بیہوش ہوئے۔ بالآخر اُن کو یقین ہو گیا کہ اُن کے دستخط نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ لاکھوں چیک موت کے گھاٹ اُتار دئے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے دستاویز پر دستخط کر دئے اور وہاں جرمن فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ تھی پہلی قسط معاہدہ میونخ کی جو ہٹلر نے وصول کی۔

میمل - ڈنیزگ - کوریڈور اس کے بعد دوسری قسط میمل (Memel) کی تھی جسے ۲۲ر مارچ ۳۹ء کو

لیتھونیا کی حکومت نے نہایت آسانی سے جرمنی کے حوالہ کر دیا اور تعمیل کے بعد ڈینزگ (Danzig) کی ــــ معاہدۂ دار سائی کے مطابق ڈینزگ کو آزاد شہر قرار دے کر پولینڈ کی نگرانی میں دیدیا گیا تھا۔ اور کوریڈور (Corridor) کا علاقہ ۱۹۱۹ء میں پولینڈ کو اس لئے دیا گیا تھا کہ سمندر تک پہونچنے کے لئے اُسے راستہ مل جائے۔ ہٹلر کا مطالبہ یہ تھا کہ کوئی ایسی تقسیم اُس کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی جو جرمنی کی سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہو۔ نیز یہ کہ کوریڈور میں اہلِ پولینڈ کی نہیں بلکہ جرمن اکثریت ہے، اس لئے یہ علاقہ جرمنی کو ملنا چاہیئے۔ دوسری طرف پولینڈ کا یہ کہنا تھا کہ پولینڈ کی تقسیم سے قبل صدیوں تک اس علاقہ پر پولینڈ کا قبضہ رہا تھا۔ نیز اُس کی ۸۰ فی صدی سمندری تجارت کا انحصار اسی پر ہے۔ اب معاملہ بہت نازک ہو گیا اور برطانیہ سمجھ گیا کہ ہٹلر کی نیت اب پولینڈ پر بھی قبضہ کرنے کی ہے اس لئے انھوں نے روس کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ روس نے اس کے جواب میں ایک دوسری اسکیم پیش کر دی اور وہ یہ تھی کہ بالٹک اور بحیرۂ اسود کی تمام ریاستوں کی حفاظت کی ذمہ داری متحدہ طور پر فرانس برطانیہ اور روس لیں۔ اس تمام گفت و شنید میں کافی وقت صرف ہوا لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ اسی درمیان میں جرمنی نے بھی روس کے ساتھ خفیہ گفت و شنید شروع کی اور ان دونوں کے درمیان ۲۳ اگست ۱۹۳۹ء کو دس سال کے لئے ایکدوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہو گیا۔ ہر چند یہ معاہدہ بے حقیقت چیز تھا لیکن اس نے آنے والی جنگ کو قریب تر ضرور کر دیا۔

روس کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد ہٹلر پھر پولینڈ کی طرف متوجہ ہوا اور ڈینزگ اور کوریڈور کا مطالبہ پیش کیا اسی کے ساتھ ۳۱ اگست ۱۹۳۹ء کی شام کو ایک معاہدہ جو ۱۶ دفعات پر مشتمل تھا، جرمنی سے براڈ کاسٹ کیا گیا اور اُس کی ایک نقل پولینڈ کے سفیر کے حوالہ کی گئی کہ آج ہی بارہ بجے رات تک اس مسودہ پر پولینڈ کے دستخط ہو جانا چاہیئے۔ پولینڈ کے سفیر نے اس واقعہ کی اطلاع اپنی حکومت کو بذریعہ ٹیلیفون کرنی چاہی تو معلوم ہوا کہ ٹیلیفون کا سلسلہ کاٹ دیا گیا ہے اور کسی قسم کی گفت و شنید ناممکن ہے دوسرے دن یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کی صبح کو جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا اور اس حملہ کا سارا الزام پولینڈ ہی کے سر منڈھ دیا گیا۔

بیسویں صدی کی دوسری جنگِ عظیم

پولینڈ پر جرمنی کے حملہ کے پورے ۸/۴ گھنٹہ بعد۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ نے بھی جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور فرانس نے بھی۔

سامان حرب کے لحاظ سے جرمنی اور پولینڈ کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ جرمنی کے پاس ہوائی جہازوں، ٹینکوں اور دیگر آلات حرب کی جتنی کثرت تھی، اتنی ہی پولینڈ کے یہاں کمی تھی۔ ہٹلر کے پاس سامانِ حرب پہلے ہی بہت کافی تھا، لیکن زیکوسلاواکیا پر قابض ہونے کے بعد اُس کے سامان حرب کی تعداد دگنی ہو گئی تھی، کیونکہ وہاں کے اسلحہ طیار کرنے کے کارخانے سب اُس کے ہاتھ آ گئے تھے۔ پھر بھی پولینڈ کے سپاہیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ لیکن تا بہ کے، بالآخر لڑائی شروع ہونے کے پندرہ دن کے اندر پولینڈ کے دارالسلطنت وارسا کو دشمنوں نے گھیر لیا اور حکومت نے پایۂ تخت چھوڑ دیا، اس کے بعد جب جرمن فوجوں کا دباؤ زیادہ پڑا تو ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ کے بہت سے فوجی افسروں نے کمانڈر انچیف کے پولینڈ کو خیرباد کہکر رومانیا میں پناہ لینی چاہی لیکن یہاں ان کو فوراً حراست میں لے لیا گیا۔ جس نے پولینڈ کی فوج میں اور ابتری پیدا کر دی۔ اُسی وقت پشت سے روس نے بھی دھاوا بول دیا اور اب پولینڈ کو سوائے ہتھیار ڈالنے کے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

ہر چند روس اور پولینڈ کے درمیان ایک معاہدہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے لئے ہو چکا تھا۔ لیکن پولینڈ پر جرمنی حملہ کے بعد جب وہاں کی حکومت نے پایۂ تخت خالی کر دیا تو ۱۷ ستمبر کو، روس کے وزیر خارجہ نے پولینڈ کے سفیر متعینہ ماسکو

کو طلب کرکے ایک تحریر اس کے سامنے پیش کی، جس میں بتایا گیا تھا کہ پولینڈ کی حکومت چونکہ اب ختم ہو چکی ہے اس لئے وہ معاہدہ جو پولینڈ اور روس کے مابین ہوا تھا وہ بھی خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اور روس باشندگان پولینڈ کو بچانے کے لئے ان حالات میں جو مناسب تدبیر سمجھے گا اختیار کرے گا۔ لیکن سفیر پولینڈ نے اس تحریر کے لینے سے انکار کر دیا۔

دوسرے دن ۱۷ ستمبر ۳۹ء کو روس نے پولینڈ پر حملہ کر دیا اور اُس مشرقی علاقے پر قابض ہو گیا جس سے برسٹ لٹوسک معاہدہ نے روس کو محروم کر دیا تھا۔ اب جرمنی اور روس کے درمیان بھی نیا معاہدہ برسٹ لٹوسک ہی کے مقام پر ہوا۔ لیکن چونکہ بعض اختیارات سے جرمنی کو اس معاہدہ سے نقصان ہو رہا تھا اس لئے ۱۹ ستمبر ۳۹ء کو دوبارہ پھر غور کیا گیا اور تھوڑی سی ترمیم کے بعد ایک دوسرا معاہدہ مرتب کیا گیا جو ۲۲ ستمبر ۳۹ء کو پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا۔ اس معاہدہ کے مطابق پولینڈ، روس اور جرمنی میں آدھا آدھا بٹ گیا۔ لیکن روس کو تھوڑا سا علاقہ بعد میں لیتھونیا کو دینا پڑا۔

ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ اس تقسیم کے بعد پولینڈ کی کیا صورت ہو گئی:۔

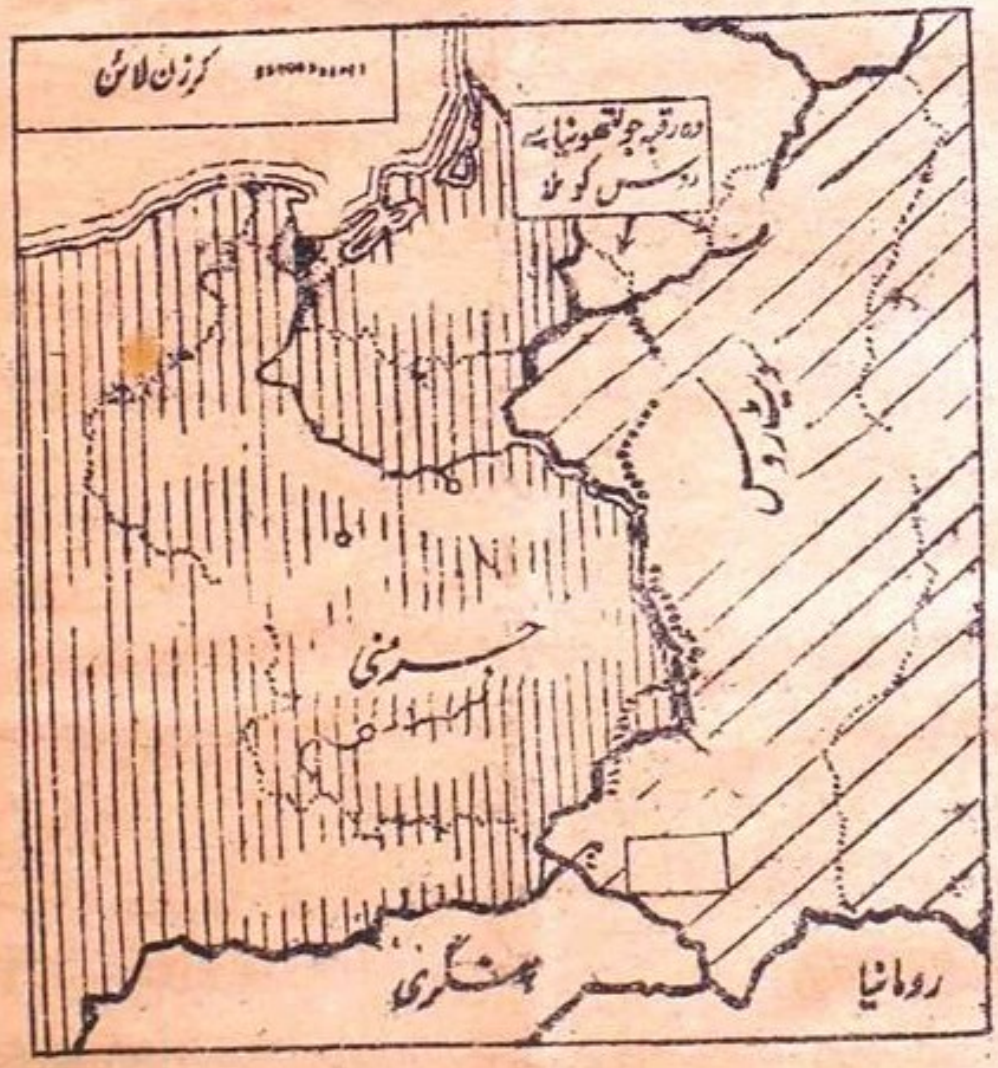

اس کے بعد روس نے بالٹک ریاستوں کا رُخ کیا۔ بالٹک ریاستیں نام ہے لیٹویا (Latvia) استھونیا (Estonia) لتھوینیا اور اور فن لینڈ کی ریاستوں کے مجموعہ کا جو بحیرۂ بالٹک کے کنارے واقع ہیں۔ یہ ریاستیں جنگ ۱۴ء سے پہلے زار کی حکومت کی ملکیت تھیں۔ لیکن ۱۹۱۸ء میں اُن کو روس سے الگ کرکے آزاد ریاستوں میں تبدیل کر دیا گیا اور وہاں جمہوری طرز کی حکومتیں قایم کی گئیں۔ یہ ریاستیں اگرچہ روس سے متصل تھیں مگر سویٹ طرز حکومت کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

پولینڈ کا قصہ پاک ہونے کے بعد روس نے ان ریاستوں سے معاہدے کرکے، پہلا معاہدہ ۲۸ ستمبر ۳۹ء کو استھونیا

سے کیا جس کی رو سے روس کو جزایر ڈاگو (Dago) اور اوسل (Osel) میں بحری بری اور فضائی اڈے بنانے کی اجازت ملگئی۔ دوسرا معاہدہ ۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو لٹویا (Latvia) سے ہوا۔ اس کی رو سے ونڈو (Windau) اور لیبو (Liebau) نیز دوسرے مقامات پر قلعہ بندی کی اجازت ملگئی۔ تیسرا معاہدہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو لتھونیا اور روس کے مابین ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے روس کو لتھونیا کے اندر فوجی اڈے بنانے کا موقعہ ملگیا۔ جب بالٹک کی ریاستوں پر روس کا اقتدار قایم ہوگیا تو ان علاقوں کے وہ باشندے جو جرمن تھے اُن کو ناتسی حکومت نے فوراً واپس بلالیا۔ ان میں کچھ لوگ بڑے بڑے کاروبار کے مالک تھے ان لوگوں نے بڑی تیزی کے ساتھ اپنی جائدادوں کو فروخت کر ڈالا اور وہاں سے ہجرت کر گئے۔

اُدھر روس بالٹک کی طرف متوجہ تھا اور اِدھر ہٹلر ایک اور چال چلنے کی فکر میں تھا۔ یعنی ۶ اکتوبر کو اس نے اعلان کیا کہ وہ علاقے جن کے لئے اُس نے مطالبہ پیش کیا تھا، جرمنی کا قبضہ ہوگیا ہے اور پولینڈ کا وجود بھی باقی نہیں رہا جس کی زندگی کی ضمانت برطانیہ و فرانس نے کی تھی، اس لئے اب اتحادیوں کو جرمنی کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی کے ساتھ پُرزور الفاظ میں یہ وعدہ بھی کیا کہ آیندہ سے یوروپ میں وہ کوئی نیا قدم نہ اُٹھائے گا۔ اسٹالین نے بھی اس بات کی ضمانت لینے کا وعدہ کیا لیکن اتحادیوں نے یہ کہکر کہ اب تک ہٹلر اپنے وعدوں سے اتنی بار پھر چکا ہے کہ آیندہ اس کے نئے وعدے پر اعتماد کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ جب روس نے برطانیہ و فرانس کا یہ رنگ دیکھا اور اُس کو یقین ہوگیا کہ اتحادیوں کا اعلان جنگ صرف دھمکی کے لئے نہیں ہے تو اُس نے اپنی کامل غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد ہٹلر نے ایک اور تدبیر اختیار کی یعنی اس نے فرانس اور برطانیہ کے تعلقات خراب کرنے کے لئے فرانس کو یقین دلانا چاہا کہ اُس کی لڑائی تو صرف برطانیہ سے ہے اور اگر فرانس میدان خالی کر دے گا تو اُسکے مقبوضات کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے لیگا۔ لیکن فرانس اس چال میں نہ آیا اور ہٹلر کی یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

اتحادی طاقتیں اور ترکی جب حالات نے یہ صورت اختیار کرلی تو اتحادیوں نے ترکی کو ٹٹولنا چاہا کیونکہ بحیرۂ روم میں ترکی کی حیثیت صرف درۂ دانیال کے پاسبان ہی کی نہیں ہے، بلکہ بلقانی ریاستوں میں فوجی اہمیت کے اعتبار سے بھی وہ بیحد اہم ہے۔ علاوہ اس کے چونکہ یونان اور رومانیا کے تحفظ کی ذمہ داری اپنے سر لے چکا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ ترکی کو بھی اپنا حلیف بنانے کی پوری کوشش کرے، چنانچہ برطانیہ اور ترکی کے درمیان معاہدہ کی بات چیت شروع ہوگئی، جرمنی نے یہ رنگ دیکھ کر خود بھی اپنے سفیر متعینۂ ترکی کے ذریعہ سے گفتگو شروع کر دی۔ اس وقت ترکی کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ وہ اپنے پرانے حلیف روس کی دوستی کو مقدم رکھے، اس لئے وہ فوراً فیصلہ نہ کرسکا، لیکن بعد کو جب اس نے روس کو یقین دلادیا کہ ترکی کا کوئی جدید معاہدہ ان تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوسکتے جو روس و ترکی کے درمیان قایم ہیں تو اس نے جرمنی کے مقابلہ میں برطانیہ کو ترجیح دی اور ان دونوں میں معاہدہ ہوگیا جس کے بعض اہم شرائط حسب ذیل تھے:

(۱) یوروپ کی کوئی طاقت اگر ترکی پر حملہ آور ہوگی تو برطانیہ اور فرانس ترکی کی مدد کریں گے۔

(۲) بحیرۂ روم میں اگر برطانیہ و فرانس سے کسی نے جنگ شروع کی تو ترکی مدد کرے گا اور اگر بحیرۂ روم کے کسی ایسے حصہ میں لڑائی شروع ہوئی جس سے ترکی کا مفاد وابستہ ہے تو برطانیہ و فرانس ترکی کی مدد کریں گے۔

(۳) رومانیا اور یونان کی حفاظت کی جو ذمہ داری اتحادیوں نے لی ہے، اُس سلسلہ میں اگر برطانیہ و فرانس نے کسی لڑائی میں حصہ لیا تو ترکی اُس کی تکمیل میں معاون رہے گا۔

(۴) اگر یہ تینوں طاقتیں کسی حریف سے متحدہ جنگ کریں گی تو کوئی فریق مخالف قوت کے ساتھ بغیر سب کی منظوری کے صلح نہ کر سکیگا
(۵) اس معاہدہ کے سلسلہ میں ترکی نے جو ذمہ داریاں لی ہیں وہ اُسے روس کے خلاف لڑنے پر مجبور نہ کر سکیں گی۔ یعنی اگر روس برطانیہ، فرانس میں جنگ ہوئی تو ترکی غیر جانبدار رہے گا۔

اتحادیوں کے ساتھ ترکی کا یہ معاہدہ حقیقتاً برطانوی سیاست کی بڑی جیت تھی جس نے ہٹلر کو یقین دلا دیا کہ اگر اس نے مشرق وسطیٰ کی طرف رُخ کیا تو اس کو مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

فتح پولینڈ کے بعد دُنیا کا خیال تھا کہ جرمنی شاید فرانس کی طرف رخ کرے گا، چنانچہ میزنولائن پر فرانسیسی و برطانوی فوجوں کا اجتماع بھی ہونے لگا، لیکن اس نے کوئی اقدام ایسا نہیں کیا، البتہ سمندر میں اس کی آبدوز کشتیوں نے ضرور نقل و حرکت شروع کر دی، جس سے برطانیہ کے بعض جہازوں کو نقصان پہونچا۔ لیکن یہ تمام آنے والی اصل جنگ سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں اور دنیا ہٹلر کے آئندہ اقدامات کا انتظار کر ہی رہی تھی کہ ۲۹ر اکتوبر کو روس نے فن لینڈ سے سفارتی تعلقات منقطع کرے اور ۳۰ر کو حملہ کی خبر آگئی

فن لینڈ یہ علاقہ ۱۱۵۴ء سے ۱۸۰۹ء تک سویڈن کی حکومت میں شامل تھا۔ اُس کے بعد روس کے تصرف میں آیا، پھر جب روس میں انقلاب ہوا تو فن لینڈ آزاد ہوگیا۔ لیکن جب روس نے پولینڈ کے بعد بالٹک ریاستوں پر قبضہ کیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ فن لینڈ کو چھوڑ دیتا جو کسی وقت اس کے قبضہ میں رہ چکا تھا، اس لئے اس نے پہلے فن لینڈ کے سامنے یہ مطالبات پیش کئے کہ خلیج فن لینڈ کے کچھ جزائر روس کو پٹہ پر دیدئے جائیں اور اسی کے ساتھ آرکٹک کی بندرگاہ پٹسیمو اور خلیج فن لینڈ کی بندرگاہ ہانگو میں فوجی اڈے بنانے کی اجازت دیدی جائے۔

فن لینڈ، روس کے یہ مطالبات ماننے کے لئے قطعاً طیار نہ تھا۔ اس سلسلہ میں برطانیہ، فرانس اور یورپ کی دوسری چھوٹی ریاستوں کو فن لینڈ کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوگئی۔ دوسری طرف سوئڈن، ناروے اور ڈنمارک، روس کے اس اقدام سے خوفزدہ ہوئے اور ان تینوں سلطنتوں کی ایک کانفرنس اسٹاک ہام (Stockholm) میں منعقد ہوئی جس میں روس کے مطالبات کی شدت کے ساتھ مخالفت کی گئی۔ اس کانفرنس میں فن لینڈ کو امداد دینے کا سوال بھی اُٹھایا گیا مگر اُس کا کوئی معقول نتیجہ نہ نکل سکا۔

بالآخر ۳۰ر نومبر ۱۹۳۹ء کو روس نے فن لینڈ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ یہ لڑائی تین مہینہ تک جاری رہی۔ برطانیہ اور فرانس نے یہ بھی اعلان کیا کہ ایک لاکھ فوج فن لینڈ کی امداد کے لئے طیار ہے، اگر فن لینڈ نے امداد کی اپیل کی تو یہ فوج روانہ کر دیجائے گی۔ لیکن یہ فن لینڈ کا آخری وقت تھا۔ چنانچہ ۱۱ر مارچ ۱۹۴۰ء کو خبر آئی کہ روس اور فن لینڈ کے درمیان معاہدہ ہوگیا ہے اور فن لینڈ نے روس کے مطالبات تسلیم کر لئے ہیں۔

ناروے۔ ڈنمارک عین اُس وقت جب اسٹالن، بالٹک کی ریاستوں کا جھگڑا طے کر رہا تھا، ہٹلر، انگلستان کی طرف متوجہ تھا، یعنی اُس کی آبدوز کشتیاں ایک طرف برطانوی جہازوں کے ساتھ مصروف پیکار تھیں اور دوسری طرف جرمن طیارے برطانوی شہروں پر حملہ کرنے میں مشغول تھے۔ لیکن جرمنی کے ہوائی جہازوں کو ہالینڈ اور بلجیم کے درمیان میں حایل ہونے کی وجہ سے انگلستان پہونچنے میں وقت اور پٹرول دونوں صرف کرنا پڑ رہا تھا، اس لئے ہٹلر نے پہلے ہالینڈ اور بلجیم پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا اور کثیر تعداد میں فوجیں بھی سرحد پر جمع کر دیں۔ یہ قصد نومبر ۱۹۳۹ء

کا ہے، لیکن ہٹلر نے دفعتاً اپنا ارادہ بدل دیا اور فوجیں لکزمبرگ اور ڈنمارک کی طرف منتقل کر دیں۔ لیکن عرصہ تک کوئی فوجی کارروائی شروع نہ ہوئی، اس کی وجہ شاید موسمی خرابی تھی، بالآخر جب موسم درست ہوا تو جرمنی نے ۹ر اپریل کو ایک ساتھ ڈنمارک اور ناروے پر حملہ کر دیا، ڈنمارک نے خیر کوئی مقابلہ نہیں کیا اور اپنے آپ کو ہٹلر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر سپر ڈال دی لیکن ناروے کا معاملہ اس جنگ کی تاریخ کا بیحد دلچسپ واقعہ ہے۔

اتحادیوں کو ناروے اور سویڈن سے یہ شکایت پیدا ہو گئی تھی کہ وہاں سے کوئلہ جرمنی کو پہونچ رہا ہے اور یہ بات غیر جانبداری کے اُصول کے منافی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ۶ر اپریل ۱۹۴۰ء کو ایک متفقہ احتجاجی نوٹ سویڈن اور ناروے کی حکومتوں کو روانہ کیا اور ۸ر اپریل ۱۹۴۰ء کو ناروے کو اطلاع دیدی کہ ناروے کے جنوبی سمندر میں جا بجا بارودی سرنگیں بچھا دی گئی ہیں تاکہ جرمن جہاز اُس طرف سے نہ گزر سکیں۔ ابھی ناروے کا جواب اتحادیوں کو پہونچا بھی نہ تھا کہ یہ اطلاع موصول ہوئی کہ جرمن سپاہیوں نے ناروے کی راجدھانی اوسلو (Oslo) پر قبضہ کر لیا۔

اس کی داستان یوں بیان کی جاتی ہے کہ پہلے تو جرمنوں نے اپنے سپاہیوں کو خاموشی کے ساتھ ناروے کے ساحل پر اُتارا جنھوں نے وہاں کی غیر معروف بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر کوئزلنگ نامی ایک شخص کی وساطت سے اوسلو کی بندرگاہ پر بھی اُن کا تسلط ہو گیا۔ اُس کے بعد ایک جعلی چٹھی ناروے کے وزیر اعظم کے نام سے ناروے کی بحری کمانڈر کے نام لکھی گئی کہ جرمنی کے جہازوں کو اوسلو کی بندرگاہ میں آنے دیا جائے۔ یہ چار جہاز تھے۔ ان میں سے تین تو بخیریت اوسلو میں اُتر گئے لیکن غلط فہمی کی بنا پر جرمنی کا ایک جہاز ڈبو دیا گیا۔ بہرحال جو فوجیں وہاں اُتری تھیں اُن کی وساطت سے کل دفاتر پر جرمنوں کا قبضہ ہو گیا اور دوسرے دن کوئزلنگ کی صدارت میں ایک نئی حکومت کے مرتب کئے جانے کا بھی اعلان کر دیا گیا، لیکن پورے ناروے پر جرمنوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ خصوصاً ناروے کا اندرونی علاقہ اب بھی ناتسی سپاہیوں کے زیر اقتدار نہ تھا۔ ناروے کا بادشاہ اور وہاں کی حکومت اندرونی حصۂ ملک میں چلی گئی اور جرمنی کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگی۔ برطانیہ و فرانس نے بھی فوجیں روانہ کیں، لیکن چونکہ جرمن فوجیں پہلے ہی سے خاص خاص بندرگاہوں پر قابض ہو چکی تھیں، اس لئے اتحادی فوجوں کو کامیابی نہ ہوئی ——— اور شروع مئی میں ناروے پر جرمنی کا پورا تسلط قایم ہو گیا۔

ہالینڈ اور بلجیم ناروے کے بعد ہی، ۱۰ر مئی ۱۹۴۰ء کو ہٹلر نے ہالینڈ اور بلجیم پر بھی حملہ کر دیا۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی، بلکہ جنگی نقطۂ نظر اور اقتصادی اعتبار سے ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا۔ ہٹلر نے اس میدان جنگ میں اپنا ایک نیا کرتب دکھایا اور وہ ہوائی چھتری سے اُترنے والی فوجیں تھیں۔ انھوں نے ایک طرف ہالینڈ کی فوجوں کو گھیر لیا اور دوسری طرف وہاں کے پایۂ تخت میں بھی داخل ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی کے تیسرے دن ہالینڈ کے بادشاہ کو مع اپنی ملکہ کے انگلستان کا رُخ کرنا پڑا اور چوتھے دن صبح کو ہالینڈ کی فوجوں نے ناتسی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔

بلجیم کی صورت حال ذرا اس سے مختلف تھی۔ کیونکہ برطانیہ کی وزارت بدل چکی تھی اور بجائے چیمبرلین کے چرچل وزیر اعظم ہو گئے تھے جو جرمنی کا مقابلہ ڈٹ کر کرنا چاہتے تھے اور انھوں نے شاہ بلجیم کی اپیل پر اپنی فوجیں وہاں روانہ کر دی تھیں۔

اس وقت بلجیم میں تین فوجیں ہٹلر کے مقابلہ کے لئے موجود تھیں ایک خود بلجیم کی فوج، دوسری برطانوی فوج جو فلانڈرس کے میدان میں پڑی ہوئی تھی اور تیسری فرانس کی فوج جو میز نو لائن کی سیدھ میں بلجیم کی سرحد پر مورچے بنائے ہوئے تھی لیکن

جرمن فوج نے اس انداز سے گھیرا ڈال کر ان تینوں فوجوں کو ایک دوسرے سے علٰحدہ رکھا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر جرمن فوجیں ملجم کو عبور کر کے ایک طرف فرانس کے اندر گھس گئیں اور دوسری طرف انگریزی فوجوں کو اسی طرح گھیر لیا کہ سوائے بندرگاہ ڈنکرک کے اور کوئی راستہ باقی نہ رہا۔ جب صورت ایسی نازک پیدا ہو گئی تو ۲۸ مئی کو شاہ بلجیم نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور یکم جون ۱۹۴۰ء کو برطانوی فوجیں بھی ڈنکرک سے انگلستان واپس چلی گئیں جو اس جنگ میں برطانوی تدبیر کا بڑا اہم کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

معرکۂ فرانس

تاریخ عالم اپنے اندر شکست و فتح کے عجیب و غریب واقعات چھپائے ہوئے ہے۔ لیکن فرانس کی شکست کا حادثہ شاید دُنیا کی تاریخ کا سب سے زیادہ اندوہناک سانحہ ہے۔

فرانس کا شمار دُنیا کی عظیم الشان طاقتوں میں ہوتا تھا، اُس کے پاس ۵۵ لاکھ بہترین مسلح فوج تھی۔ اُسکے وسائل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۴۸ ملین ٹن کوئلہ، ۳۸ ملین ٹن لوہا اور ۸ ملین ٹن فولاد ہر سال اُس کی زمین سے پیدا ہوتا تھا اور پھر برطانیہ جیسی سلطنت کے جملہ وسائل اُس کی پشت پر تھے لیکن ان حالات کے باوجود جرمن فوجوں نے اُسکو پندرہ دن کے اندر ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیا۔

۱۹۱۴ء کی لڑائی میں فرانس نے جرمنی کو شکست دی تھی۔ اس مرتبہ بھی فرانس کے سپاہیوں کو اپنی کامیابی کا یقین تھا لیکن غلطی یہ تھی کہ فرانس کے ارباب حل و عقد سمجھتے تھے یہ لڑائی بھی ۱۹۱۴ء کی طرح لڑی جائے گی۔ اور انھوں نے صرف میزنو لائن پر بھروسہ رکھا۔ درانحالیکہ اس مرتبہ جرمنی کی جنگ کا انداز بالکل مختلف تھا اور اس کے مقابلہ کے لئے فرانس طیار نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب برطانوی فوجیں ڈنکرک کے راستہ سے انگلستان واپس چلی گئیں تو جرمن فوجوں نے فرانسیسی سپاہیوں کا محاصرہ کر لیا اور ہزاروں ٹینکوں اور طیاروں کے ساتھ اتنا زبردست حملہ کیا کہ دم لینے کی مہلت ہی نہ دی، فرانس کا سپہ سالار جنرل ویگان اس میں شک نہیں بڑا تجربہ کار افسر تھا، لیکن وہ جرمنی کے اس جدید طریق جنگ سے بالکل ناواقف تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی فوجیں پسپا ہونے لگیں، ۱۴ جون کو جرمن فوجیں پیرس میں داخل ہو گئیں اور ۱۷ جون کو مارشل پیٹان (فرانس کے وزیر اعظم) نے جنگ کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔

اٹلی کی شرکت جنگ اور فرانس کا خاتمہ

ہٹلر نے ابتدائے جنگ میں مسولینی کو اپنا شریک جنگ بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن مسولینی حالات کا مطالعہ کر رہا تھا اور جب اسے فرانس کی شکست کا یقین ہو گیا تو اس نے بھی فرانس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اصل قصہ یہ تھا کہ وہ نیس اور ٹونیسیا پر مدتوں سے دانت جمائے ہوئے تھا اور اس آرزو کے پورے ہونے کا اس سے بہتر موقعہ اور کیا ہو سکتا تھا؟ مسٹر روزولٹ صدر جمہوریہ امریکہ نے اس موقعہ پر مسولینی کو شرکتِ جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر اُن کو ناکامی ہوئی اور مسولینی نے بالآخر ۱۰ جون ۱۹۴۰ء کو برطانیہ و فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

جس دن نازی سپاہیوں نے ہالینڈ رس کے میدان کا رُخ کیا تو فرانسیسی خوش تھے کہ اب ان کو مزید طیاری کا موقعہ مل جائے گا، لیکن جب ہٹلر کی فوجیں ادھر سے فارغ ہو کر فرانس کی طرف مڑیں تو ملک میں انقلاب کی کیفیت پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ اہل پیرس کی زندگی بھی خطرہ میں پڑ گئی۔ اس موقعہ پر موسیو رینو کی وزارت نے استعفٰے دیا اور ان کی جگہ ۱۶ جون ۱۹۴۰ء کو

مارشل پیٹان نے یہ جنگ ختم کر دینے کے حامی تھے۔ اس وقت برطانیہ نے فرانس کی حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ برطانیہ اور فرانس دونوں ایک یونین کے ذریعہ سے وابستہ ہو جائیں اور اس طرح اس جنگ کو جاری رکھا جائے، لیکن مارشل پیٹان نے اسے منظور نہ کیا اور ہٹلر کے سامنے صلح کی درخواست پیش کر دی۔

ہر چند فرانس اور برطانیہ کے درمیان جو معاہدۂ اتحاد تھا اس کی رو سے کسی فریق کو دشمن سے علیحدہ صلح کرنے کا اختیار حاصل نہ تھا۔ لیکن جب برطانیہ نے دیکھا کہ حالات نازک ہوتے جا رہے ہیں اور غالباً موسیو رینو کی وزارت جرمن دباؤ کو برداشت نہ کر سکے گی تو اس نے حکومت فرانس سے کہا کہ اگر وہ جرمنی سے علیحدہ صلح کرنا چاہتی ہے تو کر لے لیکن اپنا بحری بیڑا برطانیہ کے حوالہ کر دے لیکن ابھی برطانیہ کی یہ شرط پوری نہ ہوئی تھی کہ فرانس کی وزارت بدل گئی اور نئے وزیر جنرل مارشل پیٹان نے اس شرط کی کوئی پروا نہ کی اور ۲۲ جون ۱۹۴۰ء کو جرمنی سے اور ۲۴ جون ۱۹۴۰ء کو اٹلی سے عارضی صلح کر لی۔

صلح کا یہ عارضی معاہدہ فولس کیپ سائز کے گنجان ٹائپ کئے ہوئے ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل سے اب تک دنیا ناواقف ہے صرف اس کا خلاصہ معلوم ہو سکا ہے جس کی رو سے فرانس کا تقریباً ۳/۴ حصہ جو جرمن فوجیں فتح کر چکی تھیں جرمنوں کے قبضہ میں رہا۔ فرانس کے تمام فوجی ادارے اور سامان جنگ کے ذخیرے بھی جرمنی کے ہاتھ آئے اور اس کے بحری بیڑے کا بہت بڑا حصہ جرمنی کی نگرانی میں دیدیا منظور کیا گیا۔ علاوہ اس کے فرانس کو اس ناتسی فوج کے اخراجات بھی برداشت کرنے پڑے جو جنگ ختم ہونے تک فرانس پر قابض رہے گی۔

ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ فرانس کا کتنا اہم حصہ جرمنی کے قبضہ میں چلا گیا:-

فرانس کی اس عارضی مصالحت کا اثر اہلِ فرانس ہی پر نہیں بلکہ فرانسیسی مقبوضات کے بسنے والوں پر بھی بُرا پڑا اور فرانسیسیوں کا ایک گروہ جس کے سردار جنرل ڈیگال ہیں فرانس سے منتقل ہو کر انگلستان چلا گیا اور "آزاد فرانس" کے نام سے ایک کمیٹی بنالی جس کا مقصد یہ ہے کہ جرمنی کے ساتھ لڑائی برطانیہ کے دوش بدوش جاری رکھی جائے۔ جنرل ڈیگال کی حمایت بعض فرانسیسی نوآبادیوں نے بھی کی۔

فتح فرانس کے بعد ہٹلر کے ارادے

فرانس کی شکست ایسا معمولی واقعہ نہ تھا کہ اس کا اثر دُنیا کی سیاسیات پر نہ پڑتا کیونکہ اب جرمنی کی دھاک پوری طرح بیٹھ چکی تھی اور ہٹلر کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ یا تو برطانیہ صلح پر آمادہ ہو جائے گا یا پھر وہ خود انگلستان پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرے گا، اور ان حالات کا اثر یہ ہوا کہ ایک طرف روس نے اپنی خاموشی کی قیمت میں رومانیا سے بسرابیا (Besserbia) اور بکووینا (Bukovina) کا مطالبہ شروع کر دیا اور دوسری طرف اٹلی نے بحرِ روم میں برطانوی بیڑوں کے مقابلہ کی طیاریاں شروع کر دیں، اسی کے ساتھ بلغاریا اور ہنگری کے تیور بھی اپنے کھوئے ہوئے علاقے ڈوبروجا اور ٹرانسلوینیا کے متعلق خراب ہو گئے۔

اس وقت ہٹلر کے سامنے تین مسئلے تھے، ایک بلقان کا دوسرا بحرِ روم کا اور تیسرا انگلستان کا۔ بحرِ روم میں تو اسے اٹلی کی بحری و فضائی قوت کی طرف سے پورا اطمینان تھا، لیکن بلقان اور انگلستان کا مسئلہ خود اسی کو طے کرنا تھا۔

انگلستان کا مسئلہ ہٹلر کو اول اول بہت آسان معلوم ہوا تھا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ فرانسیسی بیڑے پر قبضہ کر کے انگلستان پر آسانی سے حملہ کر سکے گا، لیکن جب فتح فرانس کے بعد ہی ۴ر جولائی کو برطانیہ نے اور ان کے بندرگاہ میں فرانسیسی بیڑے کو بیکار کر دیا اور اس کے چند اور جہاز جو سواحل انگلستان پر پائے جاتے تھے گرفتار کر لئے، تو ہٹلر نے محسوس کیا کہ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ بحری قزاقی اور ہوائی تاخت سے کام لے ــــ رومانیا پر دباؤ ڈال کر بسرابیا اور بکووینا کا علاقہ وہ ۲۷ر جون ہی کو دلوا چکا تھا، اس لئے روس کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے انگلستان پر فضائی حملے شروع کر دئے اور اٹلانٹک کے سمندر میں آبدوز کشتیوں سے کام لینا شروع کیا۔

چونکہ برطانیہ نے جرمنی کی ناکہ بندی ابتداءِ جنگ ہی کے وقت سے شروع کر دی تھی جو روز بروز زیادہ سخت ہوتی جاتی تھی اور دوسری طرف امریکہ نے بھی کھلم کھلا اعلان کر دیا تھا کہ وہ برطانیہ کی مدد کرنے پر ہر طرح طیار ہے، اس لئے ہٹلر چاہتا تھا کہ جلد سے جلد وہ انگلستان کو فتح کر کے اس جھگڑے کو ختم کر دے چنانچہ اس نے ۱۵ر اگست داخلۂ لندن کی تاریخ بھی مقرر کر دی تھی، لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ انگلستان جسے اس نے ڈنکرک میں اتنا کمزور سمجھ لیا تھا، اتنا سخت جان ثابت ہوگا اور وہ اس قدر تیزی کے ساتھ اپنی ہوائی طاقت کو بڑھا لیگا کہ خود جرمنی پر برطانوی بمباروں کے حملے شروع ہو جائیں گے۔

فرانس سے صلح ہو جانے کے بعد ہٹلر نے وشی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ اس کے بحری اور ہوائی مرکز اس کے ہاتھ آجائیں لیکن وشی حکومت نے انکار کر دیا ہٹلر نے پھر لیوال کے ذریعہ سے مارشل پیٹان کو ان مطالبات کے تسلیم کرنے پر مجبور کرنا چاہا مگر وہ اس میں بھی ناکام رہا۔

جنرل فرانکو اور مسولینی

ہٹلر کی اسکیم اب یہ تھی کہ وہ وشی حکومت کے ذریعہ جنگ اور اٹلی و اسپین کی مدد سے کام لے کر ایک جانب جبرالٹر کی طرف سے برطانیہ کو ضرب پہونچائے، دوسری طرف بحرِ روم میں گھس کر

مصر و اسکندریہ تک پہونچکر نہر سویز پر قابو حاصل کرے اور پھر اس کے بعد وہ براہ بلقان یا سیدھے بحیرہ روم کے راستہ سے تمام مشرق ادنیٰ و وسطیٰ پر قابض ہوکر اپنا دیرینہ خواب "جرمن سے بغداد تک" پورا دیکھ سکے۔

اٹلی اس کے ساتھ ہو ہی گیا تھا اسلئے ہٹلر خود اسپین جاکر جنرل فرینکو سے ملا اور اسے مجبور کیا کہ اگر وہ خود اس جنگ میں شریک نہیں ہوسکتا تو جرمن فوجوں ہی کو اپنے ملک سے گزر کر جبرالٹر تک پہونچ جانے دے، لیکن جنرل فرینکو راضی نہ ہوا، کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو برطانیہ اور امریکہ ناکہ بندی کرکے اس کی زندگی محال کردیں گے۔

اٹلی کی ناکامیاں

اٹلی نے البتہ فرانس کی شکست کے بعد ہی بحر روم اور شمالی و مشرقی افریقہ میں بحری، فضائی اور بری جنگ شروع کردی۔ چنانچہ اگست ۱۹۴۰ء میں برطانوی سومالی لینڈ بھی اس نے لے لیا اور لیبیا میں اس کی فوجیں شدی برانی تک پہونچ گئیں، لیکن سوائے اس کے کہ مورچے بناکر پڑی رہتیں اور کچھ نہیں کیا۔

برطانوی فوجیں یہاں اتنی نہ تھیں کہ وہ دونوں طرف اطالوی حملہ کا جواب دیتیں، اس لئے خاموشی سے ایک مرکز پر جمع ہوکر اپنی طاقت بڑھاتی رہیں اور تقریباً تین مہینے (اگست سے اکتوبر ۱۹۴۰ء تک) اسی حالت میں گزر گئے۔

اس دوران میں ۲۹ ستمبر کو برطانوی بیڑے نے اطالوی جہازوں پر اچانک حملہ کرکے مسولینی کی تمام اُن امیدوں پر پانی پھیر دیا جو بحر روم میں اس نے قایم کی تھیں اور خشکی، ہوا اور پانی تینوں جگہ اطالوی فوجوں کی نااہلیت اتنی آشکارا ہوگئی کہ خود ہٹلر کو بھی سوچنا پڑا کہ ایسے ناکارہ ساتھی کو وہ کیا کرے۔ اس دوران میں جرمن طیارے برابر انگلستان پر حملے کر رہے تھے، ہٹلر کی ۱۵ اگست (داخلۂ لندن کی تاریخ) برابر ملتوی ہوتی جارہی تھی اس لئے وہ ساتھ ہی ساتھ بلقان میں بھی پاؤں جما رہا تھا۔ چنانچہ بلغاریا کو راضی کرنے کے لئے رومانیا سے ڈمبروجا کا علاقہ اسے دلوادیا (۲۱ اگست) اور ہنگری کو خوش کرنے کے لئے ٹرانسوینیا اس کے سپرد کردیا (۳۰ اگست)

جب افریقہ اور بحر روم میں مسولینی کی ناکامیاں حد سے بڑھ گئیں تو اس نے سوچا کہ یہ رسوائی اسی طرح دور ہوسکتی ہے کہ غریب البانیا یا حبشہ کی طرح کسی اور ملک کو تاک کر اس پر حملہ کردیا جائے، چنانچہ یونان کو اس نے تاکا اور اس سے بندرگاہ سلونیکا کا مطالبہ کیا۔ جب اس نے انکار کیا تو ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو اس پر حملہ کردیا۔

لیکن ابتدائی دو ہفتوں کے بعد یونانیوں نے نہ صرف اٹلی کے حملہ کو روک دیا بلکہ خود البانیا میں گھس گئے اور اطالوی فوجوں کو مسلسل شکستیں دینے لگے۔ دوسری طرف بحیرۂ روم میں برطانوی بیڑہ نے مسولینی کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اطالوی بیڑہ کبھی سامنے نہ آتا اور اگر کبھی نظر آتا بھی تو برطانیہ کا بیڑہ اسے پر اد ھکیلتا اور اس کی کوئی پرواہ نہ کرتا۔

اوائل دسمبر میں برطانیہ نے اٹلی کے لئے ایک دوسرا محاذ جنگ پیدا کردیا۔ یعنی ۷ دسمبر ۱۹۴۰ء کی صبح کو یکایک سدی برانی پر حملہ کردیا اور صرف تین دن کے اندر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۰ء کو سدی برانی پر برطانوی فوجوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے پانچ دن بعد ہی ۱۵ دسمبر ۱۹۴۰ء کو سوم (Sollum) پر بھی قبضہ کرلیا۔

اس کے بعد برطانوی فوجیں برقہ کی طرف بڑھیں، یہاں اطالویوں نے بڑی محنت کے ساتھ قلعہ بندی کی تھی لیکن ۵ جنوری کو یہاں بھی برطانوی فوجیں قابض ہوگئیں۔

برقہ کے بعد طبروق کا نمبر تھا جو اٹلی کا بحری اور فضائی مرکز تھا۔ یہاں مقابلہ زیادہ سخت تھا، لیکن ۲۲ جنوری ۱۹۴۱ء

کو یہ جگہ بھی برطانوی فوجوں نے فتح کرلی اور اس کے بعد ہی ۳۰ر جنوری کو درنہ پر اور ۱۶ر فروری ۱۹۴۱ء کو بن غازی پر بھی برطانوی قبضہ ہوگیا۔

اس طرح گویا دو مہینہ کے اندر مسولینی کی افریقی حکومت کا بالکل خاتمہ ہوگیا، چونکہ یونان کی لڑائی میں بھی اٹلی کا یہی حال رہا اور افریقہ سے بھی وہ بالکل نکالا گیا، اس لئے اب وقت آیا کہ ہٹلر کوئی اقدام کرتا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہٹلر نے قصداً اسوقت تک اٹلی کی مدد نہیں کی تھی کیونکہ اس کی کمزوری سے ایک فایدہ تو یہ اُٹھانا چاہتا تھا کہ اٹلی کے انتظام میں اس کو دخل حاصل ہوجائے اور دوسرے یہ کہ اٹلی کو فتوحات کی تقسیم کے سلسلہ میں زیادہ مطالبہ کی جرأت نہ ہو۔ بہرحال سبب جو کچھ رہا ہو، لیکن یہ یقین ہے کہ اب ہٹلر نے مسولینی کو دبانا شروع کیا اور صرف اس مفاہمت پر اس کی امداد کا وعدہ کیا کہ اٹلی بالکل ناتسی اثر کو قبول کرے اور جب یہ طے ہوگیا تو ہٹلر پھر بلقان کی طرف متوجہ ہوا اور پورا مارچ ۱۹۴۱ء کا مہینہ اس داؤں پیچ میں صرف کردیا۔ بلغاریا تو خیر پہلے ہی جرمنی کا طرفدار تھا اور اب یکم مارچ کو کھلم کھلا محور میں شریک ہوگیا۔ یوگوسلیویا البتہ راضی نہ ہوتا تھا، لیکن ۲۵ر مارچ کو وہ بھی شامل ہوگیا۔ اب ہٹلر کے لئے یونان کا راستہ بالکل صاف تھا لیکن دو ہی دن بعد ۲۷ر مارچ کی رات کو وہاں انقلاب ہوگیا اور وہاں کے بادشاہ نے اپنے نوجوان بادشاہ کی سیادت میں شرکت محور سے انکار کردیا۔

حملۂ یوگوسلیویا و یونان

ہرچند روس، بلغاریا اور یوگوسلیویا میں ہٹلر کی اس پالیسی کا مخالف تھا، لیکن اب اس کے لئے سوائے حملہ کے کوئی چارہ بھی نہ تھا چنانچہ ۶ر اپریل ۱۹۴۱ء کو اس نے یوگوسلیویا اور یونان پر حملہ کردیا۔

یہ لڑائی ۲۱ دن جاری رہی اور ۲۷ر اپریل کو جرمن فوجیں یونان کی راجدھانی میں داخل ہوگئیں، ہرچند لیبیا کی طرف سے انگریزی فوجیں یہاں مدد کے لئے روانہ کی گئیں، لیکن وہ کافی نہ تھیں، اس لئے ان کو بھی واپس لوٹنا پڑا۔

ہٹلر نے اس جنگ سے دو فایدے اُٹھائے، ایک تو یہ کہ یونان فتح کرلینے کے بعد اب پورے بلقان پر اس کا اثر قایم ہوگیا اور دوسرے یہ کہ بن غازی اور طبروق کی طرف خالی میدان دیکھ کر ادھر بھی حملہ کردیا، چنانچہ ۳ر اپریل کو بن غازی برطانیہ کے قبضہ سے نکل گیا۔ ۸ر اپریل کو درنہ بھی چھوڑنا پڑا اور اس کے بعد برقیہ اور مسوم بھی، لیکن طبروق پر بدستور برطانوی قبضہ قایم رہا اور باوجود مسلسل کوششوں کے جرمن فوجیں کوئی کامیابی حاصل نہ کرسکیں۔

عراق، کریٹ اور شام

عراق میں ناتسی پروپگنڈا عرصہ سے کام کررہا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہاں کے ریجنٹ کو علٰحدہ کرکے رشید عالی نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی، اس لئے جب یونان فتح ہوگیا تو رشید عالی کو جرمن امداد کا پورا پورا یقین ہوگیا اور اس نے ۲ر مئی کو برطانوی ہوائی مرکز حبانیہ پر گولہ باری شروع کردی۔ اس میں شک نہیں کہ ہٹلر، عراق میں بغاوت ضرور پیدا کرنا چاہتا تھا لیکن شاید اس کا وقت ابھی نہ آیا تھا اور رشید عالی نے قبل از وقت یہ ہنگامہ شروع کردیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۰ر مئی کو رشید عالی عراق سے فرار ہوگیا اور وہاں پھر پہلے ریجنٹ واپس آگئے۔

اس کے بعد ۱۶ر مئی کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ شام کے بعض فضائی مرکزوں پر جرمن طیارے پہونچ گئے ہیں اور عراق کی طرف بھی فوجی اقدام ہورہا ہے، لیکن یہ خبر شاید صحیح نہ تھی یا یہ کہ ہٹلر نے بعض مصلحتوں کی بنا پر جن کا تعلق روس کی پالیسی سے تھا، عراق و شام کا خیال چھوڑ دیا، بہرحال جو سبب بھی رہا ہو، عراق میں ہٹلر کی ریشہ دوانیاں ناکام ثابت ہوئیں اور وہاں کا معاملہ جلد

ختم ہوگیا۔ اسکے بعد ۱۸ مئی کو جرمن فوجوں نے کریٹ پر حملہ کر دیا جسے۔ نازی حکومت نے اپنا مرکز بنالیا تھا۔
کریٹ کی لڑائی بھی فوجی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ جرمن نے یہاں بھی چھتریوں کے ذریعہ سے اپنی فوج اُتاری اور غیر معمولی قربانیاں پیش کرنے کے بعد کامیابی حاصل کی۔ اور ۲ جون کو برطانوی فوجیں وہاں سے واپس چلی گئیں۔
اس کے بعد خیال تھا کہ ہٹلر شاید مالٹا اور قبرص پر حملہ کرے گا یا پھر شام پر قبضہ کرکے فلسطین کی طرف بڑھے گا۔ مالٹا اور قبرص میں تو خیر برطانوی طیاریاں بہت کافی تھیں، لیکن شام چونکہ فرانسیسی حکومت میں شامل تھا اور وشی حکومت بالکل نازی اثر میں تھی، اس لئے برطانیہ کو سب سے پہلے شام ہی کی طرف توجہ کرنا پڑی اور ۹ جون کو آزاد فرانسیسی فوج اور برطانوی فوج نے ملکر شام پر چڑھائی کر دی۔ چونکہ یہ حملہ فاتحانہ نہ تھا بلکہ تادیبانہ تھا اس لئے برطانیہ نے کم سے کم خونریزی کے ساتھ اس مہم کو سر کرنا چاہا اور اسی لئے اس میں کافی دیر لگ گئی اور وسط جولائی کے بعد وشی حکومت نے لڑائی ختم ہونے کا اعلان کرکے خاص خاص فوجی مقامات برطانوی اور آزاد فرانسیسی فوج کے حوالہ کر دئے۔
خیال تھا کہ ہٹلر، وشی فوجوں کی مدد ضرور کرے گا، لیکن فتح کریٹ کے بعد وہ اور اُلجھنوں میں مبتلا ہوگیا جس کا تعلق روس سے تھا اور ۱۸ جون کو اس نے ترکی سے ایک معاہدہ کرکے بجائے شام کی طرف رُخ کرنے کے ۲۲ جون کو جبکہ برطانوی فوجیں شام میں دمشق تک پہونچ گئی تھیں، روس پر اچانک حملہ کر دیا۔

حملۂ روس

یوں تو آغاز جون ہی سے خبریں آنے لگی تھیں کہ جرمنی اور روس میں لڑائی چھڑنے والی ہے لیکن دونوں اپنی اپنی جگہ ان افواہوں کی تردید کر رہے تھے۔ اس لئے جب ۲۲ جون کو اس حملہ کی خبر آئی تو دنیا حیران رہ گئی روس پر جرمنی کا حملہ یقیناً بالکل غیر متوقع بات تھی، کیونکہ اسوقت تک دونوں ایک دوسرے کے دوستانہ تعلقات سے فائدہ اُٹھا رہے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حملۂ انگلستان کی ناکامی اور اقتصادی ناکہ بندی کی وجہ سے ہٹلر مجبور ہوگیا کہ اپنی فوجوں کو کسی اور طرف مشغول کرکے اُن کو جرمنی کی صحیح حالت پر غور کرنے کا موقعہ نہ دے اور کسی ایسے ملک کی طرف توجہ کرے جہاں سے اس کو غلّہ اور پٹرول کی فراہمی میں زیادہ آسانی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت تک روس، جرمنی کو خام پیداوار کافی مقدار میں فراہم کرتا رہا، لیکن ظاہر ہے کہ وہ جرمنی کی بڑھتی ہوئی ضروریات پوری کرنے کے لئے خود اپنے آپ کو نقصان یا خطرہ میں مبتلا نہیں کر سکتا تھا، اس لئے ہو سکتا ہے کہ روس نے مزید امداد سے انکار کیا ہو اور جرمنی نے اوکرائن کا غلّہ اور باکو کا پٹرول حاصل کرنے کے لئے روس پر حملہ کیا ہو۔
ہٹلر نے اپنے ایک طویل بیان میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ روس پر یہ حملہ صرف اس لئے کیا گیا کہ وہ خود جرمنی پر پشت کی طرف سے حملہ کرنا چاہتا تھا اور بہت عرصہ سے اس کا طرزِ عمل معاندانہ ہوگیا تھا، لیکن اس کا ایک مقصود یہ بھی ہے کہ اگر روس کو فتح کر لیا تو پھر ناتسی اثرات ایشیا و یوروپ دونوں جگہ بہت قوی ہو جائیں گے اور ہٹلر کی ساری دنیا پر چھا جانے کی دیرینہ خواہش پوری ہو سکے گی۔
ہٹلر نے اس حملہ کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ دس ہفتوں کے اندر اس مہم کو سر کر لیگا اور ابتدا میں لوگوں کو اس کا یقین بھی ہو چلا تھا، لیکن اب جنگ کا رُخ بدلتا ہوا نظر آرہا ہے۔
ہر چند جرمنی کے ساتھ رومانیا، ہنگری، اٹلی، سویڈن، اسپین اور فن لینڈ کی فوجیں بھی شامل ہیں، کیونکہ اسنے یہ پروپاگنڈا

کیا ہے کہ اس کا مقصود اس جنگ سے دُنیا کو بالشویت کے زہریلے اثرات سے پاک کرنا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی خاص کامیابی اُسے حاصل نہیں ہوئی، یہ محاذ دو ہزار میل کا ہے جس میں زیادہ زور اوکرائن، سفید روس اور لینن گراڈ کی طرف ہے، لیکن سوائے درمیانی محاذ کے کہ وہاں تو بیشک جرمن فوجیں روس کی اصلی سرحد میں داخل ہو کر اسمولنسک تک پہونچ گئی ہیں، اور کسی جگہ قابل ذکر اقدام نہیں پایا جاتا۔ روسی فوجیں ہر مورچہ پر نہایت بہادری سے مقابلہ کر رہی ہیں اور اس جنگ میں یہ غالباً پہلی میدانی لڑائی ہے جس میں جرمنی کو اپنے زعم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے، ماسکو پر بھی کئی بار ہوائی حملے کئے گئے، لیکن کسی میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، اسی طرح اڈیسہ اور لینن گراڈ پر بھی بمباری کی کوشش کی گئی لیکن ناکام رہی۔ گویا ہٹلر کی مقرر کی ہوئی دس ہفتہ کی مدت میں سے پانچ ہفتے گزر چکے ہیں اور ابھی تک چوتھائی منزل بھی اسنے طے نہیں کی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر آیندہ ستمبر تک روس اس دباؤ کو جھیل گیا جس کی قوی امید ہے تو پھر جنگ کا نقشہ یقیناً بدل جائیگا اور ہٹلر کی تمام امیدیں خاک میں مل جائیں گی۔

برطانیہ کو جنگ کے موجودہ رُخ نے بہت فایدہ پہونچایا، کیونکہ اب اسے اپنی طیاریوں کے لئے کافی وقت ملگیا ہے اور سال آیندہ کے موسم بہار تک وہ اس قدر مضبوط ہو جائے گا کہ ہٹلر حملۂ انگلستان کا خیال بھی دل میں نہ لا سکے گا۔ اسی کے ساتھ امریکہ کو بھی پورا موقعہ مل جائے گا کہ وہ اپنی موعودہ امداد برطانیہ کو پہونچا سکے۔

جرمنی کے حملۂ روس کے بعد ہی برطانیہ نے روس کو ہر قسم کی امداد پہونچانے کا وعدہ کر لیا اور اپنا فوجی مشن بھی وہاں بھیجدیا، اسی طرح امریکہ نے بھی روس کو اپنی پوری امداد کا یقین دلا دیا ہے۔ اور سب سے آخری چیز جس نے یقیناً ہٹلر کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہوگا، ۳۱ جولائی کی یہ خبر ہے کہ روس اور پولینڈ کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا ہے جس کی بنا پر روس نے پولینڈ کے ان حدود کو تسلیم کر لیا ہے جو ۱۹۳۹ء کے معاہدہ کے وقت متعین کی گئی تھیں، اس طرح گویا روس، پولینڈ کے اس علاقہ سے دستبردار ہو گیا ہے جو موجودہ جنگ میں اس نے حاصل کیا تھا، اس کے عوض میں پولینڈ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہٹلر کے خلاف جنگ کرنے میں روس کی پوری مدد کرے گا۔

چنانچہ اس معاہدہ کی بنا پر پولینڈ کے ۵ لاکھ سو لیین اور ایک لاکھ سپاہی جو روس کی قید میں تھے رہا کر دئے گئے ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ وہاں ایک بڑی فوج طیار ہو رہی ہے جو روس کی سرزمین پر جرمن فوجوں کا مقابلہ کرے گی۔

الغرض اس وقت تک کے حالات ایسے نہیں ہیں جن کی بنا پر جرمن کامیابی کا یقین کیا جا سکے بلکہ برخلاف اس کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زیادہ تر حالات کے موافق ہیں اور بالکل ممکن ہے کہ جب ہٹلر کے دس ہفتے ختم ہوں تو پانسہ بالکل پلٹا ہوا نظر آئے۔

جاپان جرمنی کے ساتھ جاپان کی دوستی کی صحیح تاریخ ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء ہے، جب روس کے خلاف انھوں نے ایک معاہدہ کیا تھا اور جس میں اٹلی، ہنگری اور اسپین بھی بعد کو شامل ہو گئے تھے۔

اس کے بعد جب موجودہ جنگ شروع ہوئی اور روس و جرمن کے درمیان معاہدہ ہوگیا تو جاپان کی پوزیشن فتح فرانس و ہالینڈ کے بعد صرف یہ رہ گئی کہ وہ روس کی طرف سے خیال ہٹا کر صرف فرانس اور ہالینڈ کے مقبوضات ایشیا میں اپنا اثر جمائے۔ چنانچہ اس نے ڈچ ایسٹ انڈیز اور انڈوچائنا سے دلچسپی لینا شروع کی اور سیام کی حمایت کر کے انڈوچائنا کا ایک علاقہ اسے دلوا دیا۔ لیکن امریکہ کے تیور دیکھ کر وہ حد سے آگے نہ بڑھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جرمنی کا حملۂ انگلستان کامیاب ہوتا ہے یا نہیں اور جب

اس میں ہٹلر کو ناکامی ہوئی تو وہ بھی خاموش ہو رہا۔

اب کہ روس پر جرمنی نے حملہ کر دیا ہے، ہٹلر اس سے یہ توقع کر رہا ہے کہ وہ روس پر سائبیریا کی طرف سے حملہ کر دے، لیکن وہ ابھی تک لڑائی کے رنگ سے مطمئن نہیں ہے، تاہم اس نے اس موقعہ سے یہ فایدہ ضرور اُٹھایا کہ ۲۴ جولائی کو وشی حکومت کو الٹی میٹم دیکر اس نے وہاں کے تمام اہم مقامات پر قبضہ کر لیا اور اب سیام پر بھی اس کی نظریں خراب پڑ رہی ہیں۔

امریکہ اور برطانیہ نے جاپان کے اس طرزِ عمل کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اس کا سرمایہ اپنے اپنے مقبوضات میں ضبط کر لیا ہے اور اس طرح جاپان کے خلاف اقتصادی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیندہ جاپان کی پالیسی کیا ہوگی لیکن یہ یقین ہے کہ اگر اس نے روس کے خلاف یا بحرِ پاسفک میں امریکہ و برطانیہ کے اغراض کے منافی کوئی قدم اُٹھایا تو سختی سے اس کا مقابلہ کیا جائے گا، جس کو جاپان بھی اچھی طرح محسوس کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ احساس اس کو آیندہ کسی خطرناک قدم اُٹھانے سے باز رکھے۔

امریکہ

اس جنگ میں امریکہ نے ہر چند کوئی عملی حصہ نہیں لیا، لیکن اس وقت تک اس نے جو کچھ کیا یا کرنے والا ہے وہ شرکتِ جنگ سے زیادہ مفید ہے۔ امریکہ کی پالیسی پچھلی لڑائی کے بعد یہ ہو گئی تھی کہ وہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے الگ رہے گا، لیکن اس کے سیاسی و تجارتی تعلقات دُنیا سے اتنے وسیع ہیں کہ جنگ چھڑنے کے بعد وہ اس پالیسی پر کبھی قایم نہیں رہ سکتا، چنانچہ اس دفعہ جب لڑائی شروع ہوئی اور ناتسی جماعت نے اپنے طرزِ عمل سے گویا ساری دنیا کی جمہوریتوں کو چیلنج دیدیا تو امریکہ کی ہمدردیاں قدرتاً انگلستان کی طرف زیادہ بڑھ گئیں۔

ہر چند وہ از روئے قانون غیر جانبداری کسی ملک کو بھی سامانِ حرب نہیں بھیج سکتا تھا، لیکن صدر روزولٹ نے اس قانون میں ترمیم کر کے برطانیہ و فرانس کو اسلحہ فراہم کرنا شروع کیے، جرمنی کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور اس نے اپنے پانچویں کالم کے ذریعہ سے امریکہ میں ہنگامہ پیدا کرنا چاہا، لیکن کامیابی نہ ہوئی، بلکہ برخلاف اس کے امریکہ کی ہمدردیاں جمہوریتوں کے ساتھ اور زیادہ بڑھنے لگیں، یہاں تک کہ نقد قیمت کا سوال بھی اُٹھا دیا گیا اور پٹہ یا قرض پر برطانیہ کو ہر طرح کا سامان جنگ فراہم کرنیکا قانون ۹ مارچ ۱۹۴۱ء کو پاس ہو گیا۔

اسوقت تک امریکہ نے علاوہ تباہ کُن جہازوں کی پیشکش کے برطانیہ کو اور کیا کیا سامان دیا، اس کی فہرست بہت طویل ہے لیکن مختصراً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ برطانیہ کی ہوائی طاقت کو بڑھانے اور اٹلانٹک میں جرمن آبدوز کشتیوں کا کامیاب مقابلہ کرنے میں، امریکہ نے اتنی مفید مدد کی ہے کہ شاید وہ شرکتِ جنگ کے بعد بھی اتنی اچھی خدمت انجام نہ دے سکتا۔

امریکہ کو برطانیہ کی طرف مائل کرنے میں جاپان کے مسئلہ کو بھی بہت دخل ہے، چونکہ جاپان، بحرِ پاسفک میں امریکہ و برطانیہ دونوں کا حریف ہے اور دورانِ جنگ میں اس کی پالیسی کبھی خطرہ سے خالی نہیں رہی، اس لئے یوں بھی امریکہ اور برطانیہ میں قدرتاً اتحاد ہونا چاہئے تھا، جو اب انڈوچائنا پر جاپانی قبضہ کے بعد اتنا زیادہ مستحکم ہو گیا ہے کہ اگر دنیا کی سیاست میں کچھ بھی پیچیدگی اور پیدا ہوئی تو امریکہ یقیناً اعلانِ جنگ کر دے گا اور ناتسیت و جمہوریت کی موجودہ جنگ ایک فیصلہ کُن نقطہ پر آجائے گی۔

مُغل لائن لمیٹیڈ

مسلمانوں کی قایم کی ہوئی واحد جہاز ران کمپنی

تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بمبئی اور کراچی سے عدن پورٹ سوڈان جدّہ و سوئز کو جہازوں کی روانگی کا معقول انتظام

بمبئی اور کراچی سے عدن جدّہ اور بحر احمر کی بندرگاہوں نیز پورٹ لوئی ماریشس تک مسافروں اور بار برداری کی سروسیں

تمام سروسیں اور تاریخیں بغیر کسی پیشگی اطلاع کے منسوخ کی جاسکتی ہیں

تفصیلات کے لئے خط و کتابت کیجئے:

ٹرنر مارلیسن اینڈ کمپنی لمیٹیڈ

۱۶- بنک اسٹریٹ بمبئی

تکارب ایجنسی لکھنؤ

نیاز فتحپوری کی دیگر تصانیف

تکارب ایجنسی لکھنؤ

ترغیبات جنسی (۱)

شہوانیات

اس کتاب میں فحاشی کی تمام فطری اور غیر فطری قسموں کے حالات اور انکی تاریخی ونفسیاتی اہمیت پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ فحاشی دنیا میں کب اور کس کس طرح رائج ہوئی نیز یہ کہ مذاہب عالم نے اسکے رواج میں کتنی مدد کی۔ اس کتاب میں آپ کو حیرت انگیز واقعات نظر آئیں گے

قیمت تین روپیہ (۳/) علاوہ محصول

مجموعۂ استفسار وجواب ۳ جلد

ان تینوں جلدوں میں ۱۹۲۲ء سے لیکر ۱۹۳۶ء تک کے استفسار وجواب شایع کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کی اہمیت کا اظہار بیکار ہے کیونکہ نگار کو جو خصوصیت اس باب میں حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ان تینوں جلدوں میں سیکڑوں ادبی تاریخی وتنقیدی مسایل شامل ہیں اور اس کی حیثیت ایک مختصر سی سائیکلوپیڈیا کی ہے۔

قیمت فی جلد تین روپیہ (۳/) علاوہ محصول

جذبات بھاشا

جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کرکے ان کی ایسی تشریح کی ہے کہ دل بیتاب ہوجاتا ہے۔ اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب اس موضوع پر لکھی گئی ہے اور ہندی کلام کے بے مثل نمونے نظر آتے ہیں۔

قیمت بارہ آنہ (۱۲/) علاوہ محصول

فلاسفۂ قدیم

اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے تین علمی مضامین شامل ہیں:

۱ — چند گھنٹے فلاسفۂ قدیم کی روحوں کے ساتھ

۲ — مادیین کا مذہب

۳ — حرکت کے کرشمے

نہایت مفید دلچسپ کتاب ہے۔

قیمت ایک روپیہ (۱/) علاوہ محصول

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ، حسن وعشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اس کے ایک ایک جملے میں موجود ہیں، یہ افسانہ اپنے پلاٹ اور انشاء کے لحاظ سے اس قدر بلند چیز ہے کہ دوسری جگہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

قیمت دس آنے (۱۰/)

علاوہ محصول

فراست الید

مولفۂ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص بآسانی ہاتھ کی شناخت اور اس کی لکیروں کو دیکھ کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل سیرت عروج وزوال مو[illegible] شہرت ونیکنامی وغیرہ پر صحیح پیشین گوئی کرسکتا ہے۔

قیمت ایک روپیہ (۱/)

علاوہ محصول

مذاکرات نیاز

یعنے حضرت نیاز کی ڈائری جو ادبیات وتنقید عالیہ کا عجیب وغریب ذخیرہ ہے ایک بار اسکو شروع کردینا اخیر تک پڑھ لینا ہے۔ اس کتاب کی بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں

قیمت بارہ آنہ (۱۲/)

علاوہ محصول

گہوارۂ تمدن

یہ وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں تاریخ واساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ تمدن کی ترقی میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا اور دنیائے تہذیب وشائستگی اسکی کس قدر ممنون ہے اردو میں اس موضوع پر اس سے قبل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی مصنف کو اس کتاب پر ریاست بھوپال سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا تھا

قیمت دو روپیہ (۲/) علاوہ محصول

رجسٹرڈ نمبر اے ۴۶۶

"نگار" کے خاص نمبر

بسلسلہ نگار بک ایجنسی

لکھنؤ نگار بک ایجنسی

جنوری سنہ ۳۲ء	جنوری سنہ ۳۵ء	جنوری سنہ ۳۶ء	جنوری سنہ ۳۷ء
(غالب نمبر) غالب شوخ نگار کی حیثیت سے، جس میں ان کی نظم و نثر دونوں کو سامنے رکھکر ان کی شوخ نگاری کو دکھایا گیا ہے۔ صفحات ۱۵۶۔ معہ تصویر غالب (رنگین) قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول	(اُردو شاعری نمبر) اُردو شاعری کی تاریخ اور ہر زمانہ کے شعراء پر نقد و تبصرہ اور انتخاب کلام یہ مجموعۂ اُردو شاعری پر اتنی معلومات کتابی کہ اسکے بعد پھر کسی تذکرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی بہ تعداد مضامین اڈیٹر نگار کے قلم کے ہیں صفحات ۲۳۶۔ اس میں اڈیٹر نگار کی قلمی تصویر بھی شامل ہے۔ قیمت عہ۔ علاوہ محصول	(ہندی شاعری نمبر) ہندی شاعری کی تاریخ اور مستند شعراء کے کلام پر تبصرہ اور انتخاب کلام، اُردو میں ہندی شاعری پر اس سے زیادہ بہتر انتخاب اور معلومات کا ذخیرہ اور کہیں نہیں مل سکتا۔ صفحات ۱۶۸۔ قیمت عہ علاوہ محصول	ڈراما اصحاب کہف خطوط آسکر وائلڈ بنام سارہ برنہارٹ اور مسئلہ خلافت و امامت پر پانچواں مقالہ آزاد خیال شیعہ کے قلم سے۔ یہ خاص نمبر مختلف قسم کی دلچسپیاں رکھتا ہے۔ ڈراما اصحاب کہف اور خطوط آسکر وائلڈ بہترین انشا پردازی کا نمونہ ہیں۔ صفحات ۱۴۴۔ قیمت عہ علاوہ محصول
جنوری سنہ ۳۸ء	**جنوری سنہ ۳۹ء**	**جنوری سنہ ۴۰ء**	**جنوری سنہ ۴۱ء**
تاریخ اسلامی ہند۔ یہ تاریخ جس دقت نظر اور کاوش و تحقیق کے بعد مرتب کی گئی ہے اُس کا اندازہ آپ کو مطالعہ کے بعد معلوم ہوگا۔ جغرافی و واقعاتی تحقیق اصل ماخذوں سے کی گئی ہے۔ صفحات ۱۵۲۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) علاوہ محصول	(مصحفی نمبر) اس کے بعض عنوانات یہ ہیں:۔ حیات مصحفی۔ اُردو غزلگوئی میں مصحفی کا مرتبہ۔ مصحفی کی غیر مطبوعہ مثنویاں۔ انتخاب کلام مطبوعہ و غیر مطبوعہ۔ صفحات ۱۶۴ قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول	(نظیر نمبر) اس کے بعض عنوانات یہ ہیں:۔ نظیر کا مسلک۔ شاعری پر تبصرہ۔ نظیر اور عوام۔ انتخاب کلام مطبوعہ و غیر مطبوعہ۔ صفحات ۱۶۸ قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول	یہ نمبر دُنیائے تذکرہ میں بالکل پہلی چیز ہے یعنی اس وقت کے تمام مشہور غزل گو شعراء نے خود اپنے حالات لکھے ہیں اور خود اپنے کلام کا انتخاب کیا ہے، اسی کے ساتھ ایک مقالہ غزلگوئی پر بھی ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ قیمت دو روپیہ (عہ) علاوہ محصول

مطبوعہ مطبع نگار پریس لکھنؤ (پبلشر و ایڈیٹر نیاز فتحپوری)